اردو کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ناشر حلقہ نیاز و نگار کراچی

اردو کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ناشر حلقہ نیاز و نگار کراچی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

کتاب کا نام — اردو کی نعتیہ شاعری

مصنف — ڈاکٹر فرمان فتح پوری

طبعِ اول — لاہور ۱۹۷۴ء

طبعِ دوم

قیمت

ناشر — حلقہ نیاز و نگار کراچی

ملنے کا پتہ

بیکن بکس، بوسن روڈ ملتان

مکتبۂ عالیہ اردو بازار لاہور

فہرستِ مضامین

۱- کتاب سے پہلے (طبع اول) ۱۰

۲- کتاب سے پہلے (طبع دوم) ۱۷

۳- نعت ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے ۲۰

نعت اور عقیدۂ رسالت، نعت کا مفہوم، نعت کی ہیئت اور موضوع، موضوع کی اہمیت اور ہماری بے اعتنائی۔

۴- عربی فارسی نعت اور اردو پر اس کے اثرات ۲۹

حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، بوصیری، سعدیؒ امیر خسرو، جامی، قدسی اور بعض دیگر شعرا

۵- اردو میں نعت گوئی کی مقبولیت اور اس کے اسباب و محرکات ۲۹

نعت ذریعۂ نجات و کارِ ثواب، نعت سے علما و صوفیا کی دلچسپی اور نعتیہ مشاعرے، میلاد شریف کی محفلیں اور سیرت النبی کے جلسے، محفلِ سماع مسلکِ طریقت اور صوفیائے کرام

۶- اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت اور اس کا مبصرانہ جائزہ ۴۹

رسمی نعت گوئی اور اس کی مختلف صورتیں، اردو میں حقیقی نعت گوئی کے دور کا آغاز، محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری اور اس کی خصوصیات، امیر مینائی مولانا حالی اور مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری،

علامہ اقبال کی شاعری اور نعت کے موضوع سے
اُس کا رشتہ ، بعض صوفی و عالم شاعر اور اُن کا
نعتیہ کلام ، چودھری دلّو رام کوثری ایک ہندو
عاشقِ رسول ، منظوم تاریخِ اسلام و سیرتِ نبوی
کے مختلف مجموعے اور شاہنامۂ اسلام ، عہدِ حاضر
کے بعض نعت گو شاعر اور ان کا نعتیہ کلام۔

۷۔ تبرکات (عربی۔ فارسی)

شیخ سعدی ۱۲۰ ، شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۰ ، خواجہ
نظام الدین اولیاء ۱۲۱ ، امیر خسرو ۱۲۲ ، عبدالرحمٰن
جامی ۱۲۳ ، جان محمد قدسی ۱۲۴ ، اسداللہ خاں غالب
۱۲۵ ، شاہ نیاز احمد بریلوی ۱۲۶ ، علامہ اقبال ۱۲۷

۸۔ منتخب نعتیں (اُردو)

امیر مینائی ۱۳۰ ، اسمٰعیل میرٹھی ۱۳۲ ، علامہ اقبال ۱۳۳ ،
اختر شیرانی ۱۳۴ ، احسن مارہروی ۱۳۵ ، اصغر گونڈوی
۱۳۵ ، اختر حیدرآبادی ۱۳۶ ، اکبر الٰہ آبادی ۱۳۷ ،
اکبر وارثی میرٹھی ۱۳۸ ، اقبال سہیل ۱۳۹ ، احسان دانش
۱۴۰ ، افقر موہانی ۱۴۱ ، احمد ندیم قاسمی ۱۴۱ ،
محمد اعظم چشتی ۱۴۲ ، اسیر بدایونی ۱۴۳ ، اختر
(ہری چند) ۱۴۴ ، آزاد (جگن ناتھ) ۱۴۵ ، اختر حسین
اختر ۱۴۶ ، اطہر نفیس ۱۴۷ ، ابراہیم خلیل شیخ ۱۴۸ ،
بیدم وارثی ۱۴۹ ، بیدل جبلپوری ۱۵۰ ، بہزاد لکھنوی ۱۵۱ ،

بیان میرٹھی ۱۵۲، حفیظ نائب ۱۵۲، ثروت حسین ۱۵۴
عبدالکریم ثمر ۱۵۵، جوہر (مولانا محمد علی) ۱۵۶، جوش
ملیح آبادی ۱۵۷، جگر مراد آبادی ۱۵۸، حالی
(الطاف حسین) ۱۵۹، حسرت موہانی ۱۶۲، حسن رضا خاں بریلوی
۱۶۳، حفیظ جالندھری ۱۶۴، حمید صدیقی لکھنوی ۱۶۶،
عبدالرحمٰن راسخ دہلوی ۱۶۹، رضا بریلوی (مولانا احمد رضا خاں)
۱۷۰، روش صدیقی ۱۷۱، شاہ محمد تقی بریلوی ۱۷۲،
ساغر نظامی ۱۷۳، سحر انصاری ۱۷۴، شہیدی (کرامت علی)
۱۷۵، شہید (غلام امام) ۱۷۶، شفیق کوٹلی ۱۷۷، شارق ایرایانی
۱۷۸، شاعر لکھنوی ۱۷۹، شہزاد احمد ۱۸۰، شوقی (اقبال حسین)
۱۸۱، ضیاء القادری بدایونی ۱۸۲، ظفر (مولانا ظفر علی خاں)
۱۸۴، ظفر (سراج الدین) ۱۸۶، غلام مصطفیٰ عشقی ۱۸۷،
عبدالعزیز خالد ۱۸۸، عاصی کرنالی ۱۸۹، عارف عبدالمتین ۱۹۰،
فیض الحسن سہارنپوری ۱۹۲، فرمان فتح پوری ۱۹۳، کیف ٹونکی
۱۹۴، کوثری (دلو رام) ۱۹۵، قاضی نذر الاسلام ۱۹۶،
قیصر وارثی ۱۹۷، منور بدایونی ۱۹۸، ماہر القادری ۱۹۹،
محشر رسول نگری ۲۰۱، منظور حسین شور ۲۰۲، مظہر عرفانی
۲۰۳، ناظر (خوشی محمد) ۲۰۴، نیر واسطی ۲۰۵، وحشت
کلکتوی ۲۰۶، وحید حسوی ۲۰۷، یوسف ظفر ۲۰۸،

فہرست ماخذ

۱۔ "احسن الکلام" از مولانا احسن مارہروی مطبوعہ مکتبہ تخلیقِ ادب کراچی ۱۹۶۵ء

۲۔ اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی از علامہ اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۳۔ ارمغانِ حجاز از علامہ اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء

۴۔ "ارمغانِ نعت" مطبوعہ مکتبۂ دین و ادب لکھنو ۱۹۶۳ء

۵۔ انوارِ طیبہ از بیدل جبلپوری مطبوعہ ڈیپنٹ پرنٹنگ پریس کراچی

۶۔ بالِ جبریل از علامہ اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

۷۔ "بہارستان" از مولانا ظفر علی خاں مطبوعہ مکتبہ کارواں لاہور

۸۔ تذکرہ شعرائے حجاز از امداد صابری مطبوعہ مکتبۂ شاہراہِ اردو بازار دہلی ۱۹۶۹ء

۹۔ "جام وارث" از قیصر وارثی مراد آبادی مطبوعہ نذیر پرنٹنگ ورکس کراچی ۱۳۷۲ھ

۱۰۔ "حدائقِ بخشش" از مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۱۱۔ "حیاتِ سعدی" از مولانا حالی مطبوعہ ایم فرمان علی اینڈ سنز لاہور

۱۲۔ حسیات از مولانا ظفر علی خاں مطبوعہ مکتبہ کارواں لاہور

۱۳۔ "حدیث قدسی" مطبوعہ مطبع مخدومی بمبئی ۱۲۷۲ھ

۱۴۔ "دیوانِ شہیدی" از کرامت علی خاں شہیدی مطبوعہ نول کشور لکھنو ۱۹۱۳ء

۱۵۔ "دیوان نعتیہ" از وحید ہسوی مطبوعہ مطبع اکلیل بہرائچ ۱۹۲۹ء

۱۶۔ "دیوانِ نیاز" از شاہ نیاز بریلوی مطبوعہ تنظیم خدام سلسلہ نیازیہ کراچی ۱۳۲۶ھ

۱۷۔ "دیوانِ حافظ" از حافظ شیرازی مطبوعہ نول کشور ۱۹۸۹ء

۱۸۔ "ذوقِ نعت" از مولانا حسن رضا خاں بریلوی مطبوعہ دین محمد پریس لاہور ۱۳۲۶ھ

۱۹ - "سلام قدس" مرتبہ سید طفیل احمد بدر مطبوعہ تاج کمپنی کراچی ۱۳۷۴ھ

۲۰ - "شعر العجم" از مولانا شبلی مطبوعہ ایم فرمان علی اینڈ سنز لاہور

۲۱ - "شعلہ و شبنم" از جوش ملیح آبادی مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۳۶ء

۲۲ - "شعر و حکمت" از نیر واسطی مطبوعہ سراج الدین اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۹ء

۲۳ - "شاہنامۂ اسلام جلد اوّل" از حفیظ جالندھری مطبوعہ سلطان بک ڈپو حیدرآباد دکن طبع اول

۲۴ - "شاہنامۂ اسلام جلد سوم" از حفیظ جالندھری مطبوعہ لاہور ۱۹۴۸ء

۲۵ - "غزل و غزال" از سراج الدین ظفر مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۶۸ء

۲۶ - فخر کونین جلد اوّل و دوم از محشر رسول نگری مطبوعہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۴ء

۲۷ - کلیاتِ نظم حالی جلد اوّل و دوم مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۸، ۱۹۷۰ء

۲۸ - کلیاتِ حسرت موہانی مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۲۹ - کلیاتِ غلام امام شہید مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۰ھ

۳۰ - کلیاتِ نعت محسن کاکوروی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۰۹ء

۳۱ - کلیاتِ نظم و نثر سعدی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۵ء

۳۲ - کلیاتِ جامی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۰ء

۳۳ - کلیاتِ غالب (فارسی) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۵ء

۳۴ - کلیاتِ اسمٰعیل میرٹھی مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۳۹ء

۳۵ - کلیاتِ امیر خسرو مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۱ء

۳۶ - "گلبانگِ حرم" از حمید صدیقی لکھنوی مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۳۶۵ھ

۳۷ - "مقبول سلام" مرتبہ ساجد صدیقی مطبوعہ مکتبہ دین و ادب لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۳۸ - "محامد خاتم النبیین" از امیر مینائی مطبوعہ مطبع سعید حیدرآباد دکن ۱۲۸۹ھ

۳۹ - "متور نعتیں" از متور بدایونی مطبوعہ سلطان حسین اینڈ سنز کراچی ۱۹۶۳ء

۴۰- "محامد محمدی" از عشق محمد آبادی مطبوعہ مطبع شمسی حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۳۲ھ

۴۱- "مصحفِ بیدم" از بیدم وارثی مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۳۵۴ھ

۴۲- "منحمنا" از عبدالعزیز خالد مطبوعہ بک لینڈ کراچی سنہ ۱۹۶۶ء

۴۳- "ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز" (اردو ترجمہ) مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء

۴۴- ماہنامہ "ماہ نو" کراچی سیرت رسول نمبر بابت جولائی اگست سنہ ۱۹۶۳ء

۴۵- ماہنامہ "خاتون پاکستان" کراچی رسول نمبر سنہ ۱۹۶۴ء

۴۶- نغمۂ روح از بہزاد لکھنوی مطبوعہ پاکستان کو آپریٹیو سوسائٹی کراچی

۴۷- "ہندو شعرا کا نعتیہ کلام" مرتبہ فانی مراد آبادی مطبوعہ عارف پبلشنگ ہاؤس لائل پور سنہ ۱۹۳۹ء

۴۸- "ہندو شعرا اور دربارِ رسول" مرتبہ محفوظ الرحمٰن مطبوعہ انجمن تبلیغ الاسلام نگرام لکھنو مخزونہ: کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو کراچی۔

انتساب

شمیم صاحب کے نام

کہ

اس کتاب کے اصل محرک وہی ہیں

فرمان فتح پوری

کتاب سے پہلے

(طبع دوم)

نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے اس کی عظمت و وسعت کی حدیں ایک طرف عبد سے دوسری طرف معبود سے ملتی ہیں۔ شاعر کے پائے فکر میں ذراسی لغزش ہوئی اور وہ "نعت" کے بجائے گیا "حمد" و "منقبت" کی سرحدوں میں۔ اس لئے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقی نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ عرفیؔ نے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں جس کا مطلع ہے ؎

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را
ہمت نخورد نیشترِ لا و نعم را

بہت صحیح کہا ہے کہ ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ، بردم تیغ است قدم را

یہی وہ مشکل ہے جس کے سبب کہا جاتا ہے کہ جب تک کوئی شاعر عاشق رسول ہونے کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں کو پوری طرح نہ سمجھتا ہو اور اپنے جذبات و افکار اور عقائد و خیالات کے اظہار میں ان رشتوں میں کامل ہم آہنگی نہ پیدا کر سکتا ہو وہ قادر الکلامی اور غیر معمولی طباعی کے باوصف نعت گوئی کے منصب سے حقیقی معنوں میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مشکل کے باوجود شعرائے عربی و فارسی کی

طرح اکثر اردو کے شعرا نے بھی "نعت" کے موضوع پر طبع آزمائی کی ہے ان میں سے بعض نے نعتیہ شاعری کے نہایت اچھے نمونے یادگار چھوڑے ہیں اور خود کو ایک بلند پایہ شاعر ثابت کیا ہے۔

تاریخی حیثیت سے اُردو میں نعت گوئی کی روایت نئی نہیں بہت پرانی ہے، اتنی ہی پرانی جتنی خود اردو شاعری ہے۔ قدیم دکنی شعرا سے لے کر آج تک، اُردو کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے خاص شغف اور لگاؤ کے ساتھ کہے ہیں کسی نے محض تکلفات سے کام لیا ہے کسی نے تواتر و اہتمام سے اس کام کو انجام دیا ہے اور کسی نے گاہے گاہے طبع آزمائی کی ہے۔ کسی نے طویل نعتیہ قصیدے اور مثنویاں لکھی ہیں، کسی نے مختصر نعتیہ غزلیں اور رباعیات کہی ہیں۔ کسی نے سیرت و شخصیت کے اوصاف بیان کئے ہیں کسی نے معجزات و غزوات کو شعر کا موضوع بنایا ہے۔ کسی نے نعتیہ شاعری کے پورے پورے دیوان یادگار چھوڑے ہیں اور کسی کے یہاں اکا دُکا نعتیہ غزلیں نظر آتی ہیں۔ کچھ نے اعلیٰ درجے کی شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں اور کچھ اوسط وادنیٰ سے آگے نہیں بڑھ سکے لیکن دو چار شعر قریب قریب ہر ایک نے کہے ہیں۔ مسلسل نہ سہی متفرق اشعار کی صورت میں سہی۔

ان حالات میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُردو شاعری کی چار سو سالہ تاریخ میں نعتوں کا کتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہو گا۔ یہ مانا کہ اس ذخیرے کا زیادہ حصّہ بعض دوسرے موضوعات کی شاعری کی طرح معمولی درجے کا ہے لیکن ایک حصّہ ضرور ایسا ہے جو فکر و فن کے معیاروں پر پورا اُترتا ہے اور بلند پایہ شاعری کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس ذخیرے کو اب تک کسی نے قابلِ اعتنا نہیں جانا۔ اردو شاعری کی دوسری اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ کے بارے میں بے شمار قیمتی مقالات لکھے گئے ہیں اور سیکڑوں تحقیقی و تنقیدی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں لیکن

نعت گوئی پر چند متفرق مضامین کے سوا کوئی مختصر سی کتاب بھی نظر نہیں آتی۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ "نعت" کوئی صنفِ سخن نہیں ہے۔ اس کی کوئی ہیئت متعین نہیں ہے بلکہ مختلف ہیئتوں میں اس کے موضوع کو برتا گیا ہے اور اسی لئے صنفِ سخن کی حیثیت سے اس پر کام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یہ جواب شافی نہیں ہے۔ زندگی اور شعر و ادب کے سیکڑوں ایسے پہلو ہیں جو اصنافِ شعر کے زمرے میں نہیں آتے۔ پھر بھی ہمارے محققین و ناقدین نے ان پر خاطر خواہ توجہ دی ہے۔ مثال کے طور پر "طنز و مزاح" اور "مرثیہ" کو لیجئے۔ ہیئت کی پابندی ان میں بھی نہیں ہے۔ کسی ہیئت میں بھی مزاحیہ نظم یا مرثیہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بھی اصنافِ سخن سے خارج ہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ ان دونوں موضوعات پر اردو میں خاصا کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ لیکن نعت گوئی پر اب تک کسی طرح کا کوئی قابلِ ذکر کام منظرِ عام پر نہیں آیا۔

اس کمی کا احساس دراصل زیرِ نظر کتاب کی تالیف و اشاعت کا جواز ہے لیکن میں اعتراف کرتا چلوں کہ میری کتاب نعتیہ شاعری کے موضوع پر کوئی محققانہ کتاب نہیں۔ اسے آپ اُردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ اس میں نعتیہ شاعری کے سارے ادوار و افراد اور احوال و آثار کی تفصیل تاریخ وار یا بلحاظ سنین درج نہیں ہے یہ نعت گو شعرا کا تذکرہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں سارے شاعروں کا ذکر نہیں چند کا ذکر آیا ہے۔ یہ اردو کی نعتیہ شاعری پر جامع تنقیدی تصنیف بھی نہیں ہے بلکہ زیرِ نظر کتاب اُردو کی نعتیہ شاعری کا ایک سرسری مبصرانہ جائزہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جائزہ نعت کے سلسلے میں اس تنقیدی و تحقیقی مواد کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا جس کا ذکر میں نے ابھی ابھی اوپر کیا ہے۔ اس کتاب کا اصل مقصود اس کمی کو پورا کرنا نہیں بلکہ کمی کا احساس دلانا ہے اور اگر اس کتاب کے مطالعہ کے بعد شعر و ادب کے چند طالب علموں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا تو میں خود کو اپنے مقصد میں کامیاب سمجھوں گا۔

میں نے عرض کیا ہے کہ یہ کتاب تحقیقی نوعیت کی نہیں ہے ۔ اگر آپ یہ پتہ لگانا چاہیں کہ اردو کی پہلی نعت کونسی ہے، پہلا نعت گو شاعر کسے کہہ سکتے ہیں۔ کس شاعر کے دیوان میں کتنے نعتیہ اشعار ہیں۔ اُردو میں کتنے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے صرف نعتیں کہی ہیں۔ نعتیہ شاعری کا دیوان کن کن شاعروں نے مرتب کیا ہے۔ کس کا دیوان قلمی ہے اور کس کا چھپ چکا ہے ۔ اردو شاعری کے ذخیرے میں ہیئت کے لحاظ سے قصیدہ، مثنوی، رباعی اور غزل کی تعداد میں کیا تناسب ہے، تو آپ کو اس قسم کے سوالوں کے جوابات اس میں نہ ملیں گے۔ بات یہ ہے کہ یہ کتاب ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے نہیں بلکہ نعت کے بارے میں اس قسم کے سوالات اُٹھانے اور ان کے جوابات تلاش کرنے کے احساس کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ کاش کوئی صاحبِ علم و فن سامنے آئے اور ایک جامع تحقیقی کتاب کے ذریعے ان سوالوں کا جواب دے سکے۔

بایں ہمہ میری کتاب اس حد تک محققانہ ضرور ہے کہ اس کا معلوماتی حصہ سنی سنائی باتوں کے سہارے نہیں لکھا گیا بلکہ جن شعرا کے نعتیہ کلام کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے ان کے کلام پر ایک نظر ضرور ڈالی گئی ہے۔ اس ایک نظر کے سلسلے میں بھی بعض مقامات پر بڑی اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مثال کے طور پر یہ نعتیہ قطعہ ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مجھے ایک مدت سے یاد ہے اور مجھ جیسے ہزاروں کو یاد ہے اس کا آخری مصرع تو ضرب المثل بن گیا ہے اور عام و خاص سبھی کے حافظے میں ہے۔ پورا قطعہ بھی مختلف کتابوں مقالوں اور خطبوں میں بار بار نقل ہوا ہے۔ بعض نے شاعر کا سُراغ دیا ہے۔ بعض نے نہیں دیا۔

جن لوگوں نے سراغ دیا ہے ان میں سے بعض نے اسے حافظ کے نام سے لکھا ہے، بعض نے سعدی کے نام سے۔ کسی نے جامی سے منسوب کیا ہے اور کسی نے قدسی سے۔ مجھے ان بزرگوں کے دوادین و کلیات میں یہ قطعہ نظر نہ آیا تو صاحب قطعہ کی تلاش شروع ہوئی۔ سیکڑوں سے استفسار کیا اور سیکڑوں کے مجموعہ ہائے کلام دیکھے۔ آخر آخر معلوم ہوا کہ یہ مشہور و معروف قطعہ کسی ایرانی شاعر کا نہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ کے لائق فرزند شاہ عبدالعزیز کا ہے اور شاہ صاحب کے ملفوظات میں موجود ہے۔ اس قسم کی الجھنیں اور کئی جگہ پیدا ہوئیں جن کا ذکر اس جگہ لاحاصل ہے۔

اشعار کے غلط انتساب کی ایسی اور مثالیں ان مجموعہ ہائے نعت میں نظر آتی ہیں جو مختلف ناشروں کی طرف سے شائع ہوئے ہیں اور ان کا استعمال زیادہ تر قوالوں کی پارٹیاں کرتی ہیں۔ اس قسم کی غلطیاں آپ کو اس کتاب میں شاید نہ ملیں گی۔ تفصیل میں میں دانستہ نہیں گیا۔ اجمال کے ساتھ جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ حتی الوسع چھان بین کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ رہ گئے اس کتاب کے تنقیدی مباحث سو اس سلسلے میں نعت کے فن، اس کے موضوع، نعت گوئی کے ارتقا، محرکات و عوامل اور مقبولیت و اہمیت کے تحت جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس میں زیادہ حصہ میرا اپنا ہے اور قاری اس سے اختلاف و تائید کا پورا حق رکھتا ہے۔

کتاب کے آخر میں اردو و فارسی نعتوں کا ایک انتخاب بھی دے دیا گیا ہے۔ یہ انتخاب دو باتوں کے پیش نظر ضروری سمجھا گیا ہے ایک تو یہ کہ نعتیہ شاعری کے بڑے ذخیرے کا کچھ اچھا حصہ بہ یک نظر ہمارے سامنے آجائے اور اس کی قدر و قیمت کا ہمیں بآسانی اندازہ ہو سکے دوسرے اس لئے کہ انتخاب کے ذریعے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو بعض معیاری نعتیں پڑھنے کو مل جائیں چنانچہ انتخاب میں پورے کا پورا نعتیہ قصیدہ، مثنوی، مسدس یا مخمس نقل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے چند منتخب اشعار دے

دے گئے ہیں - طویل نعتیہ غزلوں اور نظموں کو بھی اکثر مختصر کر لیا گیا ہے - فارسی شعرا کے صرف وہ اشعار انتخاب میں دیئے گئے ہیں جن سے اُردو والوں کے کان بھی آشنا ہیں اور جن کے خالقین نے اردو کی نعتیہ شاعری پر گہرا اثر ڈالا ہے - اردو نعتوں کے انتخاب میں البتہ نئی پرانی ہر اچھی نعت کو جگہ دینے کی کوشش کی گئی ہے ہاں بعض مشکل اور عالمانہ نعتیہ قصائد مثلاً سودا اور مومن کے ان قصائد کے منتخبات جن کے مطلعے ہیں ؎

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی — سودا

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شبِ ہجر نالہائے خروس — مومن

دانستہ درج نہیں کئے گئے صرف اِس لئے کہ اس قسم کے منتخبات تاوقتیکہ خاصے طویل نہ ہوں سیاق و سباق سے کٹ جانے کے سبب بے معنی معلوم ہوتے ہیں انتخاب میں کسی خاص اصول و اہتمام سے بھی میں نے کام نہیں لیا - پرانے شعرا کے دواوین و کلیات اور آج کے بعض شعراء کے مجموعۂ کلام پر میں نے نظر ڈالی ہے اور جہاں کوئی نعت یا نعت کا ٹکڑا پسند آیا ہے میں نے اسے لے لیا ہے - لیکن نعتوں کے اس انتخاب کو سب کچھ نہ سمجھنا چاہیے - یہ مشتے از خروارے کے مصداق ہے اس قسم کی بے شمار نعتیں اُردو میں موجود ہیں ضرورت ان کو یکجا کرنے اور ان پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی ہے -

اس کتاب کی تالیف میں کہاں کہاں سے مدد لی گئی ہے اور کن کن رسائل و کتب سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے اس سلسلے میں بعض کتابوں کے نام ماخذات کی فہرست میں دیے گئے ہیں -

کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں میرے بہت سے دوستوں اور عزیزوں نے میری

مدد کی ہے اور وہ سب میرے شکریے کے مستحق ہیں لیکن میں خاص طور پر شکر گزار ہوں شمیم صاحب کا کہ وہی اس کتاب کے اصل محرک ہیں اگر وہ بہ اصرار توجہ نہ دلاتے تو شاید میں نعت گوئی کے موضوع پر قلم اُٹھانے کی سعادت سے محروم رہتا۔ عزیزی عبدالعلی وارثی کے لئے یوں دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اُنھوں نے نایاب اور اہم کتابوں کی فراہمی میں مدد دے کر کام کی تکمیل میں آسانیاں پیدا کر دیں۔ رہ گئے محمد عبداللہ قریشی مدیر ادبی دنیا' اور آئینہ ادب' لاہور کے شیخ عبدالسلام صاحب سو اُن کے ساتھ "حسابِ دوستاں در دل" کا معاملہ ہے اس لئے خاموش رہتا ہوں۔

فرمان فتح پوری

۱۵ ستمبر ۱۹۷۴ء

شعبۂ اُردو کراچی یونیورسٹی

کتاب سے پہلے

(طبع دوم)

"اردو کی نعتیہ شاعری" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں آئینہ ادب لاہور کی معرفت منظرِ عام پر آیا تھا۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ نعت گوئی کے موضوع پر میری کتاب برصغیر پاک و ہند میں پہلی مطبوعہ کتاب ثابت ہوگی شروع میں تبصروں کے حوالے سے اس طرح کی کوئی نشان دہی کی بھی گئی تو میں نے باور نہیں کیا لیکن جب میری دیرینہ آرزو کے مطابق ڈاکٹر ریاض مجید کی نہایت جامع کتاب بہ عنوان "اردو میں نعت گوئی" اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۹۰ء کے ذریعے منظرِ عام پر آئی اور انھوں نے اپنے تحقیقی مقالے میں یہ انکشاف کیا کہ :۔

> "نعت کے بارے میں شائع ہونے والی پہلی اہم تصنیف ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" (۱۹۷۴ء) ہے جس میں علمی و تحقیقی انداز میں نعت کے فکر و فن کے ضروری پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔"

اسی طرح ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے جب ایک جگہ لکھا کہ :۔

> "۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" طبع ہو کر لاہور سے شائع ہوئی اور یوں اشاعت کے اعتبار سے اسے تقدم کی فضیلت حاصل ہے۔"
>
> "صریرِ خامہ" مجلّہ شعبہ اردو سندھ یونی ورسٹی
>
> جام شورو، 'نعت نمبر' مطبوعہ ۱۹۷۸ء

تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں نے اپنے آپ کو حد درجہ خوش قسمت جانا کہ اردو میں نعت کے سلسلے میں جو تحقیقی و تنقیدی کتاب میرے قلم سے نکلی

وہ اردو ادب کی چار سو سالہ تاریخ میں پہلی کتاب قرار پائی اور اس حوالے سے مجھے انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا۔

چاہتا تھا کہ اس کام کو آگے بڑھاؤں اور ۱۹۷۴ء کے بعد سے اب تک نعت گوئی کے سلسلے میں نثر یا نظم میں جو کام ہوا ہے اسے سمیٹ لوں' لیکن واحسرتا کہ چند متفرق مضامین یا نعتیہ مجموعوں پر تبصرہ و تعارف کے سوا اور کچھ نہ ہو سکا۔ اوّل اس لیے کہ زندگی کے دوسرے مسائل نے اس طرح گھیرے رکھا کہ اس طرف قدم بڑھانے کی توفیق نہ ہوئی۔ دوسرے میں نے یہ دیکھا کہ کتاب کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں' میں نے جس خواہش کا اظہار کیا تھا وہ دوسروں کے ہاتھوں پوری ہورہی ہے اور میں نے اردو کے اہلِ قلم کو نعت کے باب میں جو ترغیب دلائی تھی اس کی جانب خاطر خواہ توجہ دی جارہی ہے اور شعری مجموعوں کے دوش بدوش نعت کے موضوع پر تحقیقی و تنقیدی کتابیں بھی منظر عام پر آرہی ہیں۔

پھر بھی میری کتاب چوں کہ تقریباً پچھلے پچیس سال سے کم یاب و نایاب تھی اور حوالہ جاتی کتاب کی حیثیت میں اس کی مانگ روز بروز بڑھتی جارہی تھی اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اسے کسی ترمیم و اضافہ کے بغیر اوّلین صورت ہی میں شائع کردیا جائے۔ اس جگہ نہایت افسوس کے ساتھ یہ ضرور عرض کرنا پڑرہا ہے کہ میں نے پہلی اشاعت میں نعت کے بعض اجزا و اشعار کے سلسلے میں جو سوالات اٹھائے تھے وہ ہنوز لاجواب ہیں۔ نہ میں اس جانب خاطر خواہ توجہ دے سکا اور نہ دوسروں نے ان کا شافی جواب بہم پہنچایا مثلاً میں نے فارسی کے ان اشعار و اجزا

هزار بار به شویم دهن زمشک و گلاب
هنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

تو سلطانِ صاحب سر آمدی
علیٰ کلّ شئٍ قدیر آمدی
فلما تجلّی الی الکائنات
بشکلِ نذیرٌ بشیر آمدی

یا صاحبَ الجمال و یا سیّد البشر
من وجہک المنیر و لقد نوّرالقمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ جن شعرا سے منسوب چلے آرہے ہیں ان کے کسی مجموعہ شعری یا تذکرے میں نظر نہیں آتے۔یہی صورت اس مشہور نعت کی ہے جس کا آخری مصرع ہے۔

محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اور جو حضرت امیر خسرو سے منسوب ہے لیکن ان کے کسی مصدقہ دیوان یا کلّیات میں شامل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اشعار میرے ذہن میں بہت کم عمری سے محفوظ ہیں اور شاید میری عمر کے بیشتر افراد کے حافظے میں بھی ہوں گے' اس لیے جی یہی چاہتا تھا کہ ان کے حقیقی مصنفین کے نام معلوم ہوجائیں لیکن ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی نعت کے موضوع پر جس انہماک و تواتر کے ساتھ اس وقت کام ہورہا ہے اس سے امید بندھتی ہے کہ یہ گتھیاں بھی ایک نہ ایک دن سلجھ جائیں گی۔

فرمان فتح پوری

۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء

نعت ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے

مسلمان چھٹی صدی عیسوی میں اپنے انقلاب آفریں عقاید کے ساتھ عرب کی سرزمین سے نکلے اور بہت جلد دنیا کے گوشے گوشے میں آباد ہو گئے۔ جہاں جہاں وہ گئے اس سے انکار نہیں کہ وہاں کی علاقائی تہذیبوں کا اثر بھی اُنھوں نے قبول کیا لیکن جس چیز نے ان کی تہذیبی زندگی کو ہمیشہ دوسروں کی زندگی سے ممتاز رکھا وہ توحید و رسالت پر ان کا عقیدہ تھا ایسا ہمہ گیر و وسیع عقیدہ جس کے بغیر وہ خود کو مسلمان کہنے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اس عقیدے کے ایک جز یعنی توحید کا تصور تو کسی نہ کسی شکل میں دوسری قوموں میں بھی موجود تھا لیکن رسالت کے مماثل ان کے یہاں کوئی چیز نہ تھی۔ مسلمانوں کے یہاں رسالت نام تھا آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کا رسول برحق تسلیم کرنے کا۔ ان کی سیرت و زندگی کی پیروی کا اور پیروی سے بھی پہلے ان کی ذات و صفات سے اس والہانہ محبت و شغف کا جس کے بغیر توحید کا عقیدہ اسلام میں بے معنی ہو جاتا ہے بقول علامہ اقبال ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

یا شیخ سعدی کے الفاظ میں ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جُز از پے مصطفیٰ

آنحضرتؐ سے اِس والہانہ شغف و محبت نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کے فنونِ لطیفہ خصوصاً شعر و ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ اس اثر کے نتیجے میں نعت گوئی جس کا اصل مقصود آنحضرتؐ سے اظہارِ محبت کرنا تھا ان کے فکر و فن کا مستقل محور بن گئی۔ چنانچہ عربی، فارسی، اُردو اور دوسری زبانوں کا شاید ہی کوئی مسلمان شاعر ہو جس نے نعت کی شکل میں حضور اکرمؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار اور انسانی زندگی پر ان کے احسانات کا اعتراف نہ کیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ نعتوں کا جتنا بڑا اور قیمتی ذخیرہ عربی، فارسی اور اردو میں موجود ہے کسی دوسری زبان میں نظر نہیں آتا۔

نعت عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنے کے ہیں۔ مثلاً فارسی کے اس شعر میں ؎

جاوید ہمی باش بہ این نعت بایں وصف
پاکیزہ باخلاق و پسندیدہ با فعال

نعت کا لفظ اپنے لغوی معنی ہی میں استعمال ہوا ہے لیکن ادبیات اور اصطلاحاتِ شاعری میں "نعت" کا لفظ اپنے مخصوص معنی رکھتا ہے یعنی اس سے صرف آنحضرتؐ کی مدح مراد لی جاتی ہے۔ اگر آنحضرتؐ کے سوا کسی دوسرے بزرگ یا صحابی و امام کی تعریف بیان کی جائے تو اُسے منقبت کہیں گے۔ آنحضرتؐ کی مدح چونکہ نثر میں بھی ہو سکتی ہے اور نظم میں بھی اس لئے اصولاً آنحضرتؐ کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا لیکن اردو فارسی میں جب 'نعت' کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرتؐ کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا معنی کی روشنی میں "نعت" کا لفظ شاعری کی کسی ہیئت کی طرف نہیں بلکہ صرف موضوع کی جانب اشارہ کرتا ہے یعنی شاعری کی مختلف ہیئتوں مثلاً قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ یا مسدس، مخمس وغیرہ میں سے کسی بھی ہیئت میں نعت کہہ سکتے ہیں۔

لیکن اس کے موضوع سے انحراف یا تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ نعت کا موضوع بظاہر بہت مختصر نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی حدیں حضورؐ کی زندگی اور سیرت سے آگے نہیں بڑھتیں لیکن غور کرنے سے اندازہ ہو گا کہ نعت کا موضوع حقیقتاً ایک انتہائی عظیم اور وسیع موضوع ہے عظیم اس لئے کہ اس کا تعلق دنیا کی عظیم ترین شخصیت اور محسنِ انسانیت سے ہے وہ کسی خاص قوم یا گروہ کے لئے نہیں بلکہ ساری اقوامِ عالم کے لئے رحمت بن کر آیا تھا اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

جہاں تک موضوع کی وسعت کا تعلق ہے اس میں آنحضرتؐ کی زندگی اور سیرت کے توسط سے انسانی زندگی کے سارے ثقافتی و تہذیبی پہلو اور سماجی و سیاسی مباحث در آئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اردو فارسی کے بیشتر شعراء نے عموماً حضور اکرمؐ کے حلیۂ اقدس۔ واقعۂ معراج اور معجزات ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے لیکن نعت کے موضوع کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے اس میں شمائل و فضائل کے ساتھ ساتھ معمولاتِ نبوی، غزواتِ نبوی، عباداتِ نبوی، آدابِ مجالسِ نبوی، پیغاماتِ نبوی اور اخلاقِ نبوی کے بے شمار پہلو شامل ہیں۔ حُسنِ عمل۔ حسنِ سلوک، حُسنِ خیال، حُسنِ بیان اور حسنِ معاملہ سے لے کر عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و احسان، سادگی و بے تکلفی، شرم و حیا، شجاعت و دیانت، عزم و استقلال، مساوات و تواضع، مہمان نوازی و ایفائے عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، رحم و مروّت، شفقت و محبت، عیادت و تعزیت، رقیق القلبی و جاں گدازی، رحمت و مکرمت، لطفِ طبع و لطفِ سخن اور انسانی ہمدردی و غمخواری تک تمدنی زندگی کا کونسا پہلو اور کونسا رُخ ہے جس کی ترغیب و ترویج و تزئین و تطہیر کا سامان نعت کے موضوع کے اندر موجود نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ عظمتِ انسانی کے جتنے گیت آج تک گائے گئے ہیں اور ایک عظیم انسان کے بارے میں جتنے تصورات آج تک قائم کئے ہیں وہ آنحضرتؐ کی رحمۃ للعالمینی کے ایک ادنیٰ جزو

کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں نعتیہ شاعری یا ایسی شاعری جس کے موضوع کا تعلق اسلام یا اسلامی اقدار و روایات سے ہو کچھ زیادہ لائق پذیرائی خیال نہیں کیا جاتا اول تو ان اقدار کی متحمل نظموں کو مذہب، خلاقیات اور تاریخ کا منظوم ذریعہ خیال کر کے ہمارے ناقدین ان پر نظر ڈالنا ہی پسند نہیں کرتے اور اگر بے دلی و تنگ نظری کے ساتھ کسی نے اس پر توجہ کی تو ایسی نظموں کو صحافت سے قریب تر موضوعاتی شاعری کا نام دیکر انھیں بے وقعت اور کم مایہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے ناقدوں کے نزدیک موضوعاتی شاعری بہ حیثیت مجموعی خارجی واقعات سے اور غیر موضوعاتی شاعری داخلی کوائف سے تعلق رکھتی ہے۔ غیر موضوعاتی شاعری ان کے نزدیک شاید یوں اہم تر ہے کہ اس کے نفس مضمون کا ادراک ہم آسانی سے نہیں کر سکتے ہم نہیں جانتے کہ جو نظم ہم سُننے والے ہیں اس میں کیا کہا جائے گا اور کس نقطۂ نظر سے کہا جائے گا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ غیر موضوعاتی شاعری عالم محسوسات و کیفیات کی چیز ہونے کے سبب اپنے قاری یا سامع کو قبل از وقت موضوع و مواد کا سراغ نہیں دیتی۔ سُننے والا جو کچھ سُنتا ہے یکایک سُنتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے وہ اچانک محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس موضوعاتی شاعری جس کی نمائندگی بالعموم مراثی۔ قصائد۔ منظوم افسانے اور تاریخی نظمیں کرتی ہیں خارجی واقعات کا ایک مخصوص بلکہ جانا پہچانا پس منظر رکھتی ہے۔ یہ پس منظر کلی یا جزوی طور پر عنوان کے ساتھ ہی سامع یا قاری کے ذہن میں اُبھر آتا ہے گویا موضوعاتی شاعری ہمیں پہلے ہی اس بات کا سراغ دے دیتی ہے کہ کسی خاص نظم میں کیا کچھ بیان کیا جانے والا ہے۔ اس پیشگی وقوف کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ہم اس قسم کی شاعری اور اس کے موضوعات کو کبھی کبھی پامال خیال کرنے لگتے ہیں اور ان میں زبان و بیان کی چاشنی کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو ہمیں متاثر کر سکے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس قسم کی شاعری کا اصل محور کوئی خارجی

واقعہ ہوتا ہے جس کا حلقۂ اثر عموماً کسی خاص علاقہ طبقہ یا ملت وقوم تک محدود ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا دائرۂ اثر کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا۔

میری ناقص رائے میں موضوعاتی شاعری کے بارے میں ہمارے ناقدین کی یہ رائیں سوچی سمجھی نہیں ہیں۔ دنیا کے شعری کارناموں کو ذہن میں ابھاریئے تو اندازہ ہوگا کہ ان کارناموں میں سے بیشتر کا تعلق غیر موضوعاتی شاعری سے نہیں خالص موضوعاتی شاعری سے ہے۔ کالیداس کے منظوم ڈرامے، ہومر کی الیڈ واوڈیسی۔ ویاس کی مہابھارت تلسی داس کی رامائن۔ فردوسی کا شاہنامہ۔ نظامی گنجوی کا خمسہ۔ ورجل کی اینیڈ۔ ملٹن کی فردوس گم شدہ۔ ڈانٹے کی طربیہ ربانی اور گوئٹے کی فاوسٹ۔ سب موضوعاتی شاعری کے ذیل میں آتی ہیں۔ لیکن کیا محض اس بنا پر کوئی شخص ان نظموں کو کم مرتبہ خیال کرے گا۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس نوع کی دوسری نظموں کو کم مایہ اور بے وقعت خیال کرنا مناسب بات نہ ہوگی۔ بلکہ انیس کا مرثیہ ہو یا حالی کا مسدس۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان ہو یا دیاشنکر نسیم کی گلزار نسیم۔ شبلی و اقبال کی تاریخی نظمیں ہوں یا امیر و محسن کے نعتیہ قصیدے ہمارے دور میں حفیظ کا شاہنامہ ہو یا ماہر القادری کی "ظہور قدسی"۔ محشر رسول نگری کی فخر کونین ہو یا عبدالعزیز خالد کی فارقلیط۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی بشرطیکہ وہ شاعرانہ لوازم پر پوری اُترتی ہو محض موضوعاتی شاعری کی بنا پر نظر انداز کرنا ناانصافی ہوگی۔

کسی نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ شاعری کے لئے موضوعات کی کمی نہیں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ شعر میں ڈھلنے کے لئے بیتاب ہے۔ ضرورت صرف ایک ایسے صاحب نظر فنکار کی ہے جو انھیں شعر کا قالب عطا کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری میں موضوعات کے انتخاب کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ موضوع کے بے جان جسم میں روح ڈالنے کا۔ یہ روح موضوع کے خارجی پہلو میں بھی کہیں کہیں چھپی ہوتی ہے لیکن جو چیز اس کو پوری قوت کے ساتھ بروئے کار لاتی ہے وہ دراصل کسی شاعر کی فنی صلاحیت اور شخصیت ہے۔ مثال کے طور

پر تلسی داس کی رامائن کو لے لیجئے بقول فراق گورکھپوری رام اور سیتا کی کہانی بھی کوئی کہانی ہے اس سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز کہانیاں آئے دن کہی اور سُنی جاتی ہیں لیکن جب تلسی داس جیسا جادو نگار اسے چھو لیتا ہے تو یہی کہانی مقبولِ خلائق بن جاتی ہے اور اس میں عظمت کے ایسے آثار پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس کا شمار دُنیا کی بہترین نظموں میں ہونے لگتا ہے۔ یہی صورت آرتھر اور رولان، پریم دلہن، منیژہ و افراسیاب، سکندر و دارا، شیریں و فرہاد، لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، سسی پنوں، عمر ماروی، بے نظیر و بدرِ منیر اور بکاولی و تاج الملوک کے افسانوں کی ہے۔ یہ افسانے بذاتِ خود کسی حیثیت سے غیر معمولی نہیں ہیں۔ ان سے بہتر افسانے عظیم تر واقعات اور اہم تر موضوعات ہمیں اس کائنات میں نظر آتے ہیں لیکن غیر معمولی فن کاروں کی بدولت جو شہرت و قبولیت ان افسانوں کو حاصل ہو گئی وہ دوسرے واقعات یا افسانوں کو میسر نہ آئی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شعری تخلیق میں صرف موضوع کو اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ موضوع کو برتنے کا سلیقہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلیقے کا دوسرا نام اندازِ بیان یا اسلوب ہے۔ یہ اسلوب فن کار کی شخصی قوتوں، اس کی تخیلی ندرتوں اور فنی مہارتوں کے سہارے ظہور پذیر ہوتا ہے اور یہی کسی تخلیق کو ادنیٰ یا اعلیٰ وقتی و دائمی یا صحافتی و ادبی مرتبوں پر فائز کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ موضوعات و واقعات یکسر غیر اہم ہوتے ہیں۔ یقیناً بعض موضوعات اہم، بعض کم اہم اور بعض اہم تر ہوتے ہوتے ہیں۔ صرف یہ کہ شاعری میں ان کی اہمیت کا انحصار عام طور پر دلکش فنی اسلوب پر ہوتا ہے کبھی اہم تر موضوعات شعر میں جگہ پا کر غیر اہم بن جاتے ہیں اور کبھی معمولی موضوعات اہم تر، محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ کیونکر ہوتا ہے اس کا جواب چنداں مشکل نہیں ہے۔ فن کار کی خوش ذوقی فنی مہارت، بالغ نظری، جمالیاتی احساس، روایات کا پاس، مشاہدات، تجربات کا تنوع، قادر الکلامی اور ندرتِ فکر و خیال ایسی چیزیں

ہیں جن کی بدولت ایک کم اہم موضوع شاعری میں اہم بن جاتا ہے لیکن اس سلسلے میں جو چیز اہم ترین خیال کیے جانے کے لائق ہے وہ شاعر کی جذباتی صداقت ہے۔ جذباتی صداقت سے مراد فن کار کا اپنے موضوع سے وہ گہرا لگاؤ اور عقیدہ و اخلاص ہے جو اسے کسی موضوع کو شعر کا قالب دینے پر مجبور کرتا ہے۔ کوئی فن کار جب اس "جبر اندروں" کے ساتھ کچھ کہتا ہے تو موضوع ذہن سے گزر کر دل میں اتر جاتا ہے اور اس انداز سے کہ "گویا یہ بھی میرے دل میں ہے"۔ اب اس اخلاص شدید یا "جبر اندروں" کو غالب کے لفظوں میں "دل گداختہ" کہہ لیجئے یا اقبال کی زبان میں "خون جگر" حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر نہ موضوع کی اہمیت محسوس ہوتی ہے اور نہ فن کی عظمت۔ گویا کہنے والا جب تک خود اپنے جذبے اپنے تجربے اور اپنے موضوع سے متاثر نہ ہو وہ اپنے کلام سے دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فلسفیانہ مضامین کو شعر کا موضوع بنایا جائے یا اخلاق و مذہب کو، علوم معاشرتی کو زیر بحث لایا جائے یا تاریخی واقعات کو۔ قدیم داستانوں اور تمدنی روایات کو نظم کیا جائے یا موجودہ سیاسی و سماجی مسائل کو۔ اشتراکیت و اشتمالیت پر طبع آزمائی کی جائے یا آزادی و جمہوریت پر، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کچھ کہا جائے اسے عقل و ذہن کی سطح سے اٹھا کر احساس و جذبہ کی گہرائیوں میں ڈبو لیا جائے ورنہ اس کا رسمی بیان قادر الکلامی اور فنی مہارت کے باوجود بے اثر رہے گا۔

دنیا کی شاہکار نظموں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ موضوع سے گہری ذہنی وابستگی اور جذباتی لگاؤ کی بدولت بہت سے ایسے مذہبی موضوعات آفاقی اور ابدی بن گئے ہیں جنہیں آج ہم اپنی کج فہمی اور کوتاہ نظری سے طبقاتی یا ہنگامی خیال کرتے ہیں مثلاً ملٹن کے "فردوس گم شدہ" میں کھل کر عیسائیت کی تبلیغ کی گئی ہے۔ ورجل کی "اینڈ" میں رومائی برتری کا راگ الاپا گیا ہے۔ فردوسی کے شاہنامہ میں قدیم ایرانی شہنشاہیت کو اسلام کی جمہوری تحریک سے عظیم تر ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نظامی کے سکندر نامے میں تبلیغی

کے ایک غیر مسلم یونانی فاتح کے کارناموں کو سراہا گیا ہے۔ تلسی داس کی رامائن میں بھگتی تحریک کو تقویت پہنچائی گئی ہے۔ ہمارے دور میں علامہ اقبالؔ نے کھل کر اسلام اور اس کی برکات کو شاعری کا موضوع بنایا لیکن کس میں ہمت ہے کہ ان کی شاعرانہ عظمت و کمال سے انکار کر سکے۔ بات صرف یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ جذبِ اندروں سے مجبور ہو کر کہا ہے۔ قلب و روح کی گہرائیوں میں اُتار کر کہا ہے اور احساس کی پوری شدت کے ساتھ کہا ہے۔ ان کے یہاں موضوع یا نظریہ کی نوعیت محض فلسفیانہ اور منطقی نہیں رہی بلکہ تخیلی اور جذباتی ہو گئی ہے۔ ان کا بیان واعظانہ یا خطیبانہ ہونے کے بجائے فن کارانہ اور شاعرانہ ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب کسی مُلّا کا مذہب نہیں رہا بلکہ دُنیا کے سارے صاحبانِ ذوق کی طمانیت و روح خیزی کا وسیلہ بن گیا ہے۔

ان حقائق کے باوصف ہمارے یہاں اکثر شعرا تاریخی واقعات، سوانح و سیرت اسلامی تعلیمات و پیغامات اور اخلاقی موضوعات پر طبع آزمائی کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں حد تو یہ ہے کہ بعض ان موضوعات کو شعر و سخن کے لئے مُہمل قرار دیتے ہیں۔ ان نام نہاد آزاد خیال شعرا کے نزدیک شاعری میں مذہب کا نام لینا تنگ نظری، اس کے پیغام کو عام کرنا رجعت پسندی اور آنحضرتؐ کی سیرت و سوانح یا اسوۂ حسنہ کو شعر کا موضوع بنانا غیر شاعرانہ بات ہے۔ ان کے خیال میں ملّی و مذہبی موضوعات کو وہی شعرا بناتے ہیں جو شاعر سے زیادہ مبلّغِ دین ہوتے ہیں۔ ان کا یہ بھی یقین ہے کہ اس قسم کی شاعری چونکہ مخصوص عقائد و نظریات سے تعلق رکھتی ہے اس لئے غیر دلکش اور بے جان ہوتی ہے اس میں عوام کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ ایسی شاعری صرف مسلمانوں کو مذہبی عقائد کے سہارے متاثر کرتی ہے۔ غالباً یہی خام خیالی ہے جس کے سبب ایک دو شاعروں کو چھوڑ کر اُردو میں کسی نے اسلام اور اس کے عالمگیر پیغام کو راہ دینا پسند نہیں کیا۔ اس کے برعکس طول طویل خیالی افسانوں، صنمیاتی داستانوں اور غیر زبانوں کے بعض مذہبی تاریخی او

نیم تاریخی نظموں کو اردو نظم کا جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ ملٹن کی فردوس گم شدہ ، کالیداس کی شکنتلا اور کمار سنبھو"۔ فردوسی کے شاہنامہ، نظامی کے سکندر نامہ ، عطار کی منطق الطیر ، مولانا روم کی مثنوی معنوی ، سب رس ، باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور داستانِ امیر حمزہ تک کو ایک بار نہیں کئی کئی بار اردو میں منظوم کیا گیا ہے - یہ الگ بات ہے کہ نقش اول سے نقش دوم کسی ایک جگہ بھی بہتر ثابت نہیں ہوا - یہی وجہ ہے کہ آج بہت کم لوگ ہیں جو اس قسم کے مترجم شاعروں کے نام سے بھی واقف ہوں - یہ بات نہیں کہ ان منظوم ترجمہ کرنے والوں میں شاعرانہ صلاحیتوں کی کمی تھی ایسا نہیں ہے - صرف یہ کہ تقلیدی رجحان نے ان کی نظموں میں وہ انفرادیت نہ پیدا ہونے دی جو ان کی شہرت و مقبولیت کا وسیلہ بن جاتی - اس کے برعکس جن شاعروں نے اپنی زمین آپ پیدا کی اور اپنے موضوع کا انتخاب آپ کیا انھیں یہی موضوعاتی شاعری ایسے بلند مقام پر لے گئی جہاں اللہ کی توفیق یاد آجاتی ہے - اس لئے کسی ناقد کا یہ خیال کرنا کہ مذہبی شاعری یا نعت گوئی کو قبولِ عام نہیں حاصل ہو سکتا ، کم نگاہی اور بے خبری کے سوا اور کچھ نہیں ہے - جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں اردو میں نعت کے موضوع کو بعض شعرا نے بڑے سلیقہ سے برتا ہے - اس سلیقے کے ثبوت میں ایک دو شعر یا نظمیں نہیں بلکہ خاصا بڑا شعری ذخیرہ پیش کیا جا سکتا ہے - اس ذخیرے کا ایک حصہ تو ایسا ہے جو صرف یہی نہیں کہ نعت گوئی کے رسمی لوازم کو پورا کرتا ہے بلکہ محاسن لفظی و معنوی کے لحاظ سے بھی شاعری کے مروجہ معیاروں پر پورا اترتا ہے ۔

عربی و فارسی نعت اور اُردو پر اُس کے اثرات

اردو میں نعت گوئی کا فن عربی اور فارسی کے زیرِ اثر آگے بڑھا ہے۔ عربی کے ممتاز ترین نعت گو شاعر حسان بن ثابت اور کعب بن زہیر ہیں۔ دونوں کو آنحضرتؐ کے حضور میں نعتیہ اشعار سنانے اور آپ کی زبانِ مبارک سے داد و تحسین حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ معتبر و مستند راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے مسجد نبوی میں ایک منبر حسان بن ثابت کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ حسان اس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور آنحضرتؐ انھیں داد دیتے تھے۔ ایک بار حسان مسجد نبوی میں اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے گذرے تو حسان کو اشارۃً منع کرنا چاہا۔ حسان نے جواب میں کہا میں مسجد میں اس وقت اشعار پڑھتا تھا جب کہ وہ شخص موجود ہوتا تھا جو تم سے بہتر تھا۔ حضرت عمر خاموشی سے گزر گئے۔ آنحضرتؐ نے حسان بن ثابت سے کئی موقعوں پر فرمائش کر کے بھی اشعار کہلوائے ہیں اور ان کے کلام کو سن کر ان کے حق میں دعائے خیر کی ہے اور اصلاحی مشورے بھی دیئے ہیں۔

عربی کے دوسرے شاعر جنھیں نعت گوئی میں خاص شہرت حاصل ہے کعب بن زہیر ہیں کعب پہلے کافر تھے اور آنحضرتؐ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ نتیجۃً ان کے متعلق حکم تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔ کعب چھپے چھپے پھرتے تھے۔ ان کے بھائی اگرچہ ایمان لا چکے تھے لیکن وہ خود اسلام قبول نہ کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب آنحضرتؐ کے عفو و درگذر کا ہر طرف چرچا ہوا تو وہ بھی اخلاقِ نبوی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ رسولِ اکرم مدینہ منورہ میں تھے ایک

رات جبکہ آنحضرتؐ مسجد میں تھے کعب اچانک اپنی اونٹنی پر وہاں پہنچے اور آواز دی کہ "میں کعب بن زہیر ہوں اور مشرف بہ اسلام ہونے آیا ہوں۔" حضور اکرمؐ بہت خوش ہوئے کعب نے حضورؐ کی شان میں اپنا قصیدہ پیش کیا۔ آنحضرت نے خوش ہو کر اپنی ردائے مبارک کعب کو بطور انعام دے دی۔ کعب کا یہ قصیدہ "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے اور فن نعت گوئی میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب عربی قصیدہ کے لوازم کے مطابق بہاریہ اور عاشقانہ ہے۔ شروع کے چودہ پندرہ اشعار کعب نے اپنی محبوبہ "سعاد" کے حسن و جمال میں کہے ہیں اور اس کے فراق میں اپنی بے قراری و بے تابی کا حال بیان کیا ہے۔ محبوبہ کے ذکر کے بعد اپنی اونٹنی کی تعریف میں شعر کہے ہیں۔ ان اشعار میں ناقہ کی تیز رفتاری۔ حسن و جمال۔ طاقت و شرافت اعضاء کے خوبصورت تناسب اور نسل و نسب کا ذکر متغزلانہ پیرایہ میں آیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت کی مدح شروع ہوتی ہے۔ ساٹھ اشعار کے اس قصیدے میں چھبیس اشعار مدح کے لئے وقف ہیں۔ مدح میں حضور اکرمؐ کی ذات مبارک کے ساتھ ساتھ ان کے صحابیوں اور ان کے جاں نثاروں کی بھی تعریف کی گئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کعب بن زہیر نے یہ شعر پڑھا ؎

انّ الرّسول لنورٌ یستضاء بہ
مھندٌ من سیوف اللہ مسلولُ

(بے شک آنحضرت نور ہیں جن کی معرفت روشنی و ہدایت حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں بے نیام شمشیر ہندی ہیں۔)

تو حضور اکرمؐ نے جوش مسرت میں اپنی ردائے مبارک کعب بن زہیر کو بخش دی۔ بردہ کے معنی ردا یا چادر کے ہیں چونکہ حضورؐ نے اپنی چادر (بردہ) اس قصیدے کی تحسین میں کعب بن زہیر کے سر پر ڈال دی تھی اس لئے اس قصیدہ کو قصیدۂ بردہ بھی کہا جاتا ہے۔

کعب بن زہیر کے قصیدے کی تشبیب بظاہر ایسی ہے جو نعتیہ قصیدے کے لئے مناسب نہیں تھی۔ مدح کے اشعار میں بھی بعض تشبیہیں اور بعض بیانات بظاہر غیر مناسب تھے لیکن کعب بن زہیر نے انھیں اس فن کاری اور خلوص کے ساتھ برتا ہے کہ ان میں باعتبار معنی کوئی ایسا پہلو نہیں نکلتا جسے آنحضرتؐ کی شان میں سوئے ادب سے تعبیر کیا جاسکے اسی لئے رسول اکرمؐ نے بھی اس قصیدے کو پسند فرمایا۔ اس پسندیدگی سے نعت میں بہاریہ اور عشقیہ تشبیبوں کے لئے جواز پیدا ہو گیا اور اُردو میں محسنؔ کاکوروی کا قصیدۂ لامیہ ہندوانی تلمیحات واصطلاحات کے استعمال کے باوجود مستحسن قرار پایا۔

غیر صحابی عربی شعرا میں نعت گو کی حیثیت سے ممتاز ترین نام ابوعبداللہ محمد بن زید بوصیری (شرف الدین) کا ہے۔ بوصیری مصر کے رہنے والے تھے۔ ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۹۵ھ میں بمقام اسکندریہ وفات پائی وہیں مدفون ہیں۔ گویا بوصیری کا زمانہ آنحضرتؐ کے وصال سے کئی صدی بعد کا ہے۔ بوصیری حبِ رسول سے سرشار ایک صوفی منش شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ قصیدہ جسے قافیے کی رعایت سے قصیدہ میمیہ کہا گیا ہے بہت مشہور ہوا اور اس کی بدولت ان کی شہرت مصر و عرب سے باہر دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ بوصیری نے یہ نعتیہ قصیدہ اس وقت کہا جب وہ سخت بیمار تھے۔ خواب میں بوصیری نے یہ قصیدہ دربار رسالت میں پیش کیا۔ آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے اور اپنی ردائے مبارک بوصیری کے جسم پر ڈال دی۔ خواب سے آنکھ کھلی تو بوصیری نے محسوس کیا وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہے ہیں۔ اس روایت کی رعایت سے بوصیری کا قصیدہ میمیہ قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہوا چنانچہ عربی شاعری کے سلسلے میں جب قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے تو اس سے بوصیری ہی کا قصیدہ مراد لیا جاتا ہے۔

بوصیری کا قصیدۂ بردہ سرتاسر آنحضرتؐ کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ بیان میں وہ سوز و گداز اور شیفتگی و ربودگی ہے کہ شاید و باید۔ قصیدے کی تشبیب کا انداز وہی ہے جو

کعب بن زہیر کے "بانت سعاد" کی تشبیب کا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بوصیری کے قصیدے میں جس محبوب کا ذکر ہے وہ خود آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ یعنی قصیدہ بردہ میں محبوب و ممدوح ایک ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس کعب بن زہیر کی تشبیب کا محبوب جُداگانہ شخصیت کا حامل ہے۔ بوصیری نے اپنے قصیدے کا آغاز دیارِ حبیبؐ کے ذکر سے کیا ہے اور ذی سلم، کاظمہ اور کوہ اضم کے حوالوں سے فراقِ محبوب میں اپنی مہجوریت کا بیان نہایت پُرسوز و پُراثر انداز میں کیا ہے۔ تشبیب کیا ہے؟ نظیری و عراقی کے رنگ کی عاشقانہ غزل ہے۔ جب یہ عاشقانہ غزل ممدوح کے ذکر سے منسلک ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ محبوب و ممدوح دونوں ایک ہی ذاتِ گرامی کے نام ہیں۔ عربی میں اس قصیدے کی تقلید میں کئی نعتیہ قصیدے لکھے گئے لیکن جو قبولِ عام بوصیری کے قصیدے کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو میسر نہ آیا۔

حسان بن ثابت، کعب بن زہیر اور بوصیری کے نعتیہ قصائد کا ذکر اُردو قصیدے کی تاریخ میں اکثر آتا ہے۔ اردو شعرا کے اشعار میں بھی ان قصائد کا حوالہ بطور تلمیح آیا ہے۔ سیرت کے جلسوں اور میلاد شریف کی محفلوں میں ان قصائد کے بعض ٹکڑے آج بھی پڑھے اور سُنے جاتے ہیں۔ بعض شعرا نے بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف کا منظوم اُردو ترجمہ "خاتون" پاکستان کراچی (۱۹۶۴ء) کے رسول نمبر میں صفحہ ۱۹۱ پر شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ میری نظر سے گزرا ہے۔ ہر لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہے۔ ان امور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عربی کے نعتیہ قصائد اور نعت گو شعرا نے اُردو اور اُردو دان طبقہ کو کس کس طرح متاثر کیا ہے۔

معنوی حیثیت سے اُردو نعت گوئی نے عربی سے کہیں زیادہ فارسی کا اثر قبول کیا ہے۔ یوں تو فارسی کے اکثر شعرا کے یہاں نعت کے نمونے ملتے ہیں لیکن اردو نعت کو شیخ سعدی، حضرت امیر خسرو، مولانا جامی اور قدسی وغیرہ نے بطورِ خاص متاثر کیا ہے۔ سعدی کے یہ چار مصرعے دیکھیے ؎

بلغ العلا بکمالہٖ   کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ   صلّوا علیہ وآلہٖ

ہر چند کہ یہ مصرعے فارسی میں نہیں عربی میں ہیں لیکن اردو خواں طبقے میں اس درجہ مقبول ہوئے کہ درود شریف کی طرح زبان زدِ خلائق ہوگئے۔ ان مصرعوں میں سعدی نے زبان و بیان اور فکر و فن کا ایسا جادو جگایا ہے کہ وہ نظروں میں کھبتے اور دلوں میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت کی حدیں ان مصرعوں پر ختم ہو جاتی ہیں۔ سادگی ایسی کہ عربی فارسی اور اردو خواں سبھی ان کو سمجھ لیتے ہیں اور پرکاری کا یہ عالم کہ قلب و روح دونوں مسحور ہو جاتے ہیں۔ اردو شعرا نے فارسی گو شعرا کی اکثر نعتوں پر نعتیں کہی ہیں اور اُن زمین میں کہی ہیں لیکن سعدی کے مذکورہ بالا چار مصرعوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت یوں بھی ہوئی کہ اُردو میں اس زمین کے قافیے ہی موجود نہیں ہیں۔ مولانا حامد حسن قادری مرحوم نے البتہ ان مصرعوں کی زمین و قافیہ میں مندرجہ ذیل چار مصرعے بطور تضمین کہے ہیں

انھیں دل جو کر دیں حوالے ہی   تو کرم ہی اُن کا سنبھالے ہی
انھیں جانیں جاننے والے ہی   کہ ہیں وصف اُن کے نرالے ہی
بلغ العلا بکمالہٖ   کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ   صلوا علیہ وآلہٖ

ہر چند کہ مولانا مرحوم عاشقانِ رسولؐ میں تھے لیکن ان کے مصرعے سعدی کے مصرعوں سے لگا نہیں کھاتے۔ ان سے مولانا کی قادر الکلامی اور زباندانی کا اندازہ تو ہو جاتا ہے اس لئے کہ انھوں نے عربی قافیوں کے لئے اُردو کے قافیے کسی نہ کسی طور پر پیدا کر لئے ہیں لیکن جہاں تک لطافتِ شعری کا تعلق ہے ان مصرعوں میں نہیں ہے۔ سعدی کے مصرعے حسنِ بیان اور حسنِ خیال دونوں کے اعتبار سے اچھوتے ہیں۔

ان عربی مصرعوں کے علاوہ سعدی کے فارسی کلام کے بعض نعتیہ ٹکڑے بھی خاصے مقبول

ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی وہ نعتیہ مثنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو بوستانِ سعدی کے شروع میں حمد کے فوراً بعد "نعتِ سرورِ کائنات" کے عنوان سے دی ہوئی ہے۔ اس مثنوی میں تیس اشعار ہیں چند منتخب شعر دیکھئے ؎

کریم السجایا جمیل الشیم　　نبی البرایا شفیع الامم
امامِ رُسل پیشوائے سُبل　　امینِ خدا مہبطِ جبرئیل
کلیمے کہ چرخِ فلک طورِ اوست　　ہمہ نورہا پرتوِ نورِ اوست
نماند بہ عصیاں کسے در گرو　　کہ دارد چنیں سیدِ پیش رَو
چہ نعتِ پسندیدہ گویم ترا　　علیک السلام اے نبی الوریٰ
درودِ ملک بر روانِ تو باد　　بر اصحاب و بر پیروانِ تو باد

یہ نعت بحرِ متقارب میں ہے اور ایسی رواں دواں اور شگفتہ ہے کہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے آخری شعروں میں خلفائے راشدین کی مدح ہے اور درمیان میں یہ مشہور شعر نعت گوئی کے باب میں بطورِ عجز کلام آیا ہے ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

حضرت امیر خسرو کی نعتیہ شاعری نے اُردو کے عام خاص دونوں حلقوں کو متاثر کیا ہے۔ حلقۂ خاص میں ان کی مقبولیت مطالعہ کے ذریعے اور حلقۂ عام میں محفلِ سماع کے ذریعے ہوئی ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرت امیر خسرو صرف شاعر و عالم ہی نہیں، صوفی باصفا بھی تھے حضرت نظام الدین اولیا سے ارادتِ خاص رکھتے تھے۔ ان کی کئی نعتوں کو قبولِ عام حاصل ہوا ہے۔ ایک دو تو ایسی ہیں کہ سراپا کیف و غنا میں ڈوبی ہوئی ہیں اور آج بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور سُنی جاتی ہیں۔ ان کی دو غزل نما نعتیں حسن و اثر کے لحاظ سے عجیب و غریب ہیں۔ دونوں کے مطلع اور مقطعے بطور حوالہ دیکھتے چلیے ؎

(۱)

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ[۱]
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

(۲)

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیباتری
خسروؔ غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

یہ نعتیہ غزلیں جب کوئی مغنی مستانہ وار پڑھتا ہے تو سننے والوں کے دل سینے سے باہر آنے لگتے ہیں۔ وجدان کیف و نشاط کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ روح تڑپ اُٹھتی ہے۔ غالبؔ نے شاید ایسے ہی موقعوں سے متاثر ہو کر سوال کیا تھا کہ ؎

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
کس کی صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

حضرت امیر خسرو کی طرح مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ اور حضرت محمد جان قدسی کی نعت گوئی نے بھی اردو کی نعتیہ شاعری اور نعت گو شعرا پر گہرا اثر ڈالا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اردو شعرا نے جتنا اثر قدسیؔ و جامیؔ کی نعتوں کا قبول کیا ہے کسی اور فارسی شاعر کا قبول نہیں کیا۔ سیرت کے جلسوں سے لے کر سماع کی محفلوں تک ان دونوں کی

---

[۱] حضرت امیر خسرو کی یہ نعت راقم الحروف کو اُن کے کسی دیوان میں نظر نہیں آئی، لیکن ایک مدت سے اُنہی کے نام سے منسوب چلی آرہی ہے اور اُنھیں کے تخلص کے ساتھ۔ (ف۔ ف)

نعتیں بصد شوق پڑھی اور گائی جاتی ہیں۔ سننے والے جھوم جھوم جاتے ہیں۔ عقل الہام کے قدموں پر گر پڑتی ہے۔ روح پر لطف و رجا کی ایسی بے نام کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ حافظ کی یہ غزل بے ساختہ زبان پر آجاتی ہے ؎

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحے دیگر اندازیم
چوں در دست است رُنے خوش بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوباں سر اندازیم

قدسی کی ایک نعت تو فکر و فن اور جذب و اثر کے لحاظ سے ایسی بلند پایہ ہے کہ دوسری زبان میں اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔ میری مراد اس نعت سے ہے جس کا مطلع ہے

مرحبا سیّدی مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اس نعت کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اردو فارسی سیکڑوں شعرا نے اس کے اشعار کی تضمین کی ہے۔ اس نعت کی مخمس نما اردو تضمینوں کا ایک مجموعہ حدیث قدسی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اسے قاضی محمد عمر نے مرتب کیا ہے اور مطبع محمدی بمبئی سے ۱۲۸۰ھ میں چھپا ہے۔ اس میں تقریباً ایک سو اردو شعرا کی تضمینیں شامل ہیں۔ لیکن اس مجموعہ کے علاوہ بھی مختلف ہیئتوں میں اس نعت کی اور بہت سی تضمینیں میری نظر سے گذری ہیں۔ ان تضمین نگاروں میں اردو کے ممتاز غزل گو شاعر مومن اور غالب کے نام بھی ملتے ہیں۔ غالب کی تضمین فارسی میں ہے مومن کی اردو میں۔ ہر چند کہ دونوں کے اشعار قدسی کے مقابلے میں کم تر درجے کے ہیں بایں ہمہ مومن کی نسبت غالب کے مصرعے فارسی میں ہونے کے سبب ایسے ہیں کہ ان کی پیوند کاری قدسی کے اشعار کے ساتھ بے جوڑ نہیں معلوم ہوتی۔ بطور مثال ان تضمینوں کے صرف ایک ایک

بند دیکھتے چلیے ؎

کیستم تا بخروش آورم از بے ادبی
قدسیاں پیش تو در موقفِ حاجت طلبی
رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیرلبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی (غالب)

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے مرا اُمت وہ نبی
یا نبی یک نگہِ لطف بہ امی دابی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی (مومن)

مولانا جامی کی نعتوں میں سب سے مشہور نعت وہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

لی حبیبٌ عربیٌ مدنیٌ قرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مندرجہ ذیل چار مصرعے بھی بہت مقبول ہوئے ہیں ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

چوتھا مصرعہ ایسے معرکے کا ہے کہ ہر قسم کی تعریف سے بالاتر ہے۔ چند لفظوں نے اس مصرعے میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے اور اتنی بلاغت و اختصار کے ساتھ کہ اس سے

سہنر کا تصور ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی و عربی میں ہونے کے باوصف یہ مصرع اُردو میں ضرب المثل بن گیا ہے۔

سعدی، خسرو، جامی، قدسی کی طرح عرفی، عراقی، صائب، فیضی، بیدل غالب اور بعض دوسرے فارسی شعرا کے یہاں بھی نعتیہ شاعری کی نہایت بلند پایہ مثالیں ملتی ہیں۔ عرفی کے یہاں تو متعدد طویل نعتیہ قصیدے نظر آتے ہیں اور ان سب نے اُردو کی نعتیہ شاعری اور نعت گو شعرا کو متاثر کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اُردو کی بعض دوسری اصنافِ سخن کی طرح نعت گوئی کے بیشتر لوازم و اسالیب بھی فارسی ہی کے زیرِ اثر اُردو میں آئے ہیں اور فارسی شعرا ہی کی رہنمائی میں اُردو کے نعت گو شعرا نے آگے قدم بڑھایا ہے۔ فارسی نعت گوئی کی روایت مثنوی۔ قصیدہ، قطعہ اور رباعی وغیرہ کی صنفوں میں چلی آ رہی تھی۔ غزل میں بھی اس کا داخلہ ممنوع نہ تھا اُردو شاعری میں بھی نعت کی یہی صورتیں جگہ پا گئیں۔ لیکن فارسی نعت گوئی کے علاوہ بھی پاک و ہند کی تہذیبی و تمدنی زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں اُردو میں نعت گوئی اور نعت کی مقبولیت کا اصل سبب اور محرک کہہ سکتے ہیں

اردو میں نعت گوئی کی مقبولیت اور اس کے اسباب و محرکات

نعت گوئی کا اوّلین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت کا ذکر اذکار کرنا، ان کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، اُن کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب اور ذریعۂ نجات ہے۔ اس کارِ ثواب اور ذریعۂ نجات کی خاطر تحریر و تقریر دونوں میں ہر شخص نے اپنی اپنی جگہ سیرتِ رسول کو جگہ دینے کی کوشش کی۔ بعض نے مفکرانہ تقریریں اور عالمانہ خطبے یادگار چھوڑے بعض نے سیرتِ نبوی پر بلند پایہ کتابیں تالیف کردیں اور بعض نے نذرانۂ عقیدت کے طور پر اعلیٰ درجے کے نعتیہ قصیدے اور دوسری نظمیں کہہ ڈالیں۔ لیکن ایسے کاموں کے لئے عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ اور تخلیقی صلاحیتیں بھی درکار تھیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص میں یہ صلاحیتیں نہ تھیں اس لئے اس کی آسان صورت یہ تھی کہ جو لوگ تھوڑی بہت قوتِ تحریر رکھتے ہیں وہ سیرتِ نبوی پر چھوٹی موٹی کتابیں لکھ دیں یا نظم و نثر کو ملا کر مولود شریف کی محفلوں کے لئے کتابچے مرتب کردیں اور جو لوگ شعر و شاعری سے لگاؤ رکھتے ہیں وہ ایک آدھ نعتیہ غزل کہہ ڈالیں۔ چونکہ شعر گوئی ... اور موزوں طبیعتوں کے لئے سب سے آسان اور دلچسپ آخری صورت تھی اس لئے نعت گوئی یہاں چھوٹے بڑے، عورت مرد اور بوڑھے، جوان سب کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ نتیجۃً معیاری اور غیر معیاری نعتوں کا ایک بڑا ذخیرہ اردو میں جمع ہوگیا۔ اتنا بڑا ذخیرہ کہ عربی و فارسی زبانوں میں بھی اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔

نعت گوئی کا دوسرا بڑا محرک بعض علما و صوفیا مثلاً شاہ نیاز بریلوی، بیدم شاہ وارثی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی وغیرہ کا وہ شغف و توجہ ہے جو انھوں نے نعت پر صرف کی ہے۔ ان بزرگوں نے اعلیٰ درجے کی نعتیں بھی کہیں اور اپنے نعتیہ کلام کے مجموعے بھی مرتب کیے، چونکہ یہ سب اپنے شاگردوں اور ارادتمندوں کا ایک بڑا حلقہ بھی رکھتے تھے اس لیے ان کی نعتیہ شاعری کو شہرت ملنے میں دیر نہ لگی بعض شاگردوں اور مریدوں نے اپنے مرشد اور استاد سے متاثر ہو کر خود بھی نعت گوئی اور نعت خوانی کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ ان میں سے جو محض مقلد تھے وہ گمنام رہ گئے لیکن جن لوگوں میں کچھ سکت تھی وہ اپنے مقصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہوئے عام شعرا کی فہرست میں نہ سہی کم سے کم رسمی نعت گو شعرا کی فہرست میں ان کا نام داخل ہو گیا۔ اس حلقے سے تعلق رکھنے والے شعرا اور سامعین نے نعتیہ مشاعروں کی بنا ڈالی۔ ان مشاعروں میں دوسرے شعرا بھی شرکت کرنے لگے۔ یہ مشاعرے چونکہ طرحی و غیر طرحی دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ اس لیے ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا تھا۔ پھر ان نعتیہ مشاعروں کے گلدستے شائع ہونے لگے اور شاعر و متشاعر سب کو اپنا نام اور کلام چھپانے اور مشہور ہونے کا موقع مل گیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے بلکہ اخبارات۔ ریڈیو۔ ٹیلیویژن اور بعض دوسرے وسائل نے اس میں ایسی سہولت عمومیت پیدا کر دی ہے کہ نعتوں کی مقدار میں اس کا معیار گم ہوتا جا رہا ہے۔

نعت گوئی کا تیسرا بڑا محرک میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد رہا ہے۔ میلاد یا مولود شریف کی محفلیں پہلے بکثرت منعقد ہوتی تھیں۔ آج ان میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہے۔ علمائے دیوبند اور ان کے حلقوں سے یہ محفلیں اٹھ چکی ہیں اور اٹھتی جا رہی ہیں لیکن علمائے بریلوی کے حلقوں میں یہ محفلیں آج بھی مقبول ہیں اور ان محفلوں میں نعت کے ساتھ درود و سلام بھی بڑے جوش و خروش سے باآواز بلند پڑھا جاتا ہے۔ دوسرے حلقوں میں میلاد شریف

کے نام سے نہ سہی کسی اور نام سے سہی سیرت النبی کے جلسے بہر حال آئے دن منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی جلسہ ایسا ہوتا ہو جس میں تلاوتِ کلام پاک کے بعد نعت نہ پڑھی جاتی ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت گوئی کسی اور صنف سے عام مسلمان واقف ہوں یا نہ ہوں لیکن نعت کا نام اور اس کا اصطلاحی مفہوم سب جانتے ہیں۔ بچے، طلبہ، نوجوان اور بوڑھے سبھی مذہبی جلسوں میں نعت پڑھنا اور سننا پسند کرتے ہیں اور اس پسندیدگی نے نعت گوئی اور نعت خوانی کے حلقوں کو وسیع کرنے میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

نعت کے سلسلے میں قوالی یا سماع کی محفلیں بھی قوی ترمحرک کی حیثیت رکھتی ہیں محفلِ سماع میں عشقِ حقیقی کی ترجمان غزلیں اور نعتیں گائی جاتی ہیں۔ ان محفلوں میں شرکت کرنا اہلِ طریقت اور ان کے حلقوں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بمنزلہ عبادت ہے۔ لیکن اہلِ شریعت بھی ان محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ عقیدت کے ساتھ نہ سہی تفریح کے لئے سہی۔ صوفی بزرگوں کے سالانہ عرسوں کے موقع پر سماع کے بڑے اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں۔ دور دور سے قوالوں کی پارٹیاں آتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے اور سبھی حسب ذوق نعتیہ نغموں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ پڑھے لکھے حلقوں میں یہ محفلیں چھوٹے پیمانے پر بڑے خضوع وخشوع کے ساتھ برپا کی جاتی ہیں۔ ان میں بانیانِ محفل کے اعزا واحباب بھی لطف اندوزی کے لئے شریک ہوتے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اگر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ نعت گوئی کے عروج ومقبولیت میں جتنا دخل صوفی شعرا اور تصوف کے خانوادوں کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ نقشبندی سلسلے کے سوا تصوف کے سارے اہم سلسلوں میں سماع جائز ہی نہیں مستحسن ومرغوب ہے۔

تصوف کے لغوی معنی کیا ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔ ہمیں اس جگہ اس سے سروکار نہیں ہے۔ لیکن صوفیا کرام اور صوفی شعرا نے ہماری زندگی اور شعر و ادب دونوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ صوفی کے مسلک سے کوئی فلسفی خواہ کتنا ہی اختلاف

کیوں نہ کرے لیکن عملی زندگی میں ایک عام انسان کے افعال و کردار پر جو اثر ایک حقیقی اور سچے صوفی کا پڑتا ہے وہ مفکر یا فلسفی کا نہیں پڑتا۔ مفکرین عام طور پر ہمارے ذہنوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک انسان کا اصل مخاطب دل ہے۔ اِس لئے ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات گویا دل سے نکلتی ہے اور دل ہی میں اُتر جاتی ہے۔ آج تصوف عملاً ہمارے یہاں جس صورت میں مقبول ہے اس کے بعض پہلو بہت مضر ہیں اور معاشرے پر ان کے مضر اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ایک زمانہ میں صوفیاء کے حلقوں نے عوام الناس پر سودمند اثرات بھی ڈالے ہیں۔ یہ اثرات آج بھی یکسر معدوم نہیں۔ بات یہ ہے کہ تصوف نے مختلف مقاموں پر خواہ کتنی ہی صورتیں کیوں نہ اختیار کی ہوں لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی روح ہر جگہ ایک ہی رہی ہے یعنی انسان دوستی اور خداترسی کے عناصر صوفی کی زندگی پر غالب رہے ہیں۔ سچے صوفی نے ہر زمانے اور ہر عالم میں زیردستوں کی غمخواری اور مظلوموں کی مدد کی ہے ظالموں اور جابروں کے مقابلے میں صوفی نے ہمیشہ کمزوروں کا ساتھ دیا ہے اور مایوس و نااُمید انسانوں کو جینے کا تازہ حوصلہ بخشا ہے۔ دُنیا میں طبقاتی جنگ کو دبانے اور عالمگیر انسانی برادری کو فروغ دینے میں صوفی کی کوششیں مولوی یا مُلّا کے مقابلے میں زیادہ کارآمد ثابت ہوئی ہیں۔ صوفی کا مسلک خود پرستی یا نخوت نہیں، عجز و انکسار اور جاں سپاری و دل گدازی رہا ہے۔ اس نے دلگدازی کو زندگی کے حق میں کیمیا سے بہتر جانا ہے بقول خواجہ میر درد ؎

اکسیر پہ مفلس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کو گداز کرنا

غرض کہ تصوف کی تحریک یا صوفی کے بنیادی مقاصد کی اہمیت اور اُس کے اصلاحی کارناموں سے انکار ممکن نہیں۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اردو کی ترقی میں

صوفیا کرام کے کام کا جائزہ لیتے ہوئے بہت صحیح لکھا ہے کہ:

"صوفی مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے' یہ باطن کو۔ وہ لفظ کو دیکھتا ہے یہ معنی کو۔ وہ رسمیات و تقلید کا پابند ہے' یہ ان سے بیزار۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ یہ مہر و محبت سے کام لیتا ہے' وہ سختی و تشدد کرتا ہے وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اس کا شیوہ درگذر ہے وہ خودی و خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی و خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس ہے' یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ وہ علم سے مرعوب کرتا ہے۔ یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے۔ مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کا رنگِ طبیعت دیکھتا ہے۔ بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض اصول وارکان کے ترک کرنے میں مضائقہ نہیں کرتا اُس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔ اصل صوفی بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے۔ وہ علماء کے مقابلے میں بہت زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے اور دلوں کو ٹٹولتا ہے۔"

صوفی کی یہ صفات اُردو کے بعض شاعروں کے یہاں نظر آتی ہیں۔ یوں تو ولی دکنی سے لے کر جگر مراد آبادی تک شاید ہی کوئی ایسا مشہور شاعر ہو جس کے یہاں صوفیانہ مسلک کی جھلک موجود نہ ہو۔ لیکن بعض شعرا مثلاً میر تقی میر، میر درد، مظہر

جان جاناں ۔ آتش لکھنوی، غالب، محسن کاکوروی اور امیر مینائی و اصغر گونڈوی کی شاعری پر تصوف کے اثرات بہت گہرے اور واضح ہیں۔ ان میں سے بعض کے یہاں تصوف اور زندگی یا تصوف و مذہب دو الگ الگ چیزیں نہیں رہیں بلکہ سب سمٹ کر ایک ہو گئی ہیں۔ چنانچہ ان کی شاعری کے مجازی رنگوں کو بھی حقیقت ہی سے تعبیر کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ صوفیاء کے نزدیک "مجاز ہی حقیقت کا زینہ ہے۔ مولانا حالی نے "حیاتِ سعدی" میں سعدی کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"شیخ کی غزل کا مدار زیادہ تر مضامینِ مندرجہ ذیل پر ہے۔ تصوف و درویشی کو عشقِ مجازی کے پیرائے میں ادا کرنا، شاہدِ مطلق کے شیون و صفات کو زلف و خال و خط و لب و دنداں وغیرہ سے تعبیر کرنا، کاملین اور عرفاء و مشائخ پر رندِ بادہ خوار، مے فروش و پیرِ خرابات کا اطلاق کرنا اور ان کے واردات و حالات کو شراب و نغمہ و حرف و چنگ کے لباس میں بیان کرنا، سلوک و فقر کے مدارج و مقامات یعنی صبر و رضا و تسلیم و توکل و قناعت وغیرہ کو نئے نئے عنوان و اسلوب سے بیان کرنا، محتسب و زاہد و فقیہ پر طعن و تعریض کرنا اور غیر متشرع و آزاد لوگوں کی توصیف کرنا"۔

اسی طرح علامہ شبلی نے جہاں شعرالعجم میں تصوف و شاعری کے تعلق پر بحث کی ہے وہاں لکھا ہے کہ

"صوفی شعرا کی بدولت وہ الفاظ جو رندی و عیاشی کے لئے خاص تھے حقائق و اسرار کے ترجمان بن گئے۔ ساقی کا لفظ ہر زبان میں بد پیشہ شخص کے لئے مخصوص ہوا ہے لیکن تصوف میں یہ شخص مرشدِ کامل اور عارفِ اسرار ہے۔ شراب کے متعدد لوازم میکدہ، جام، سبو، شیشہ صراحی، نقل، گزک، نشہ و خمار، دُرد، مطرب، نغمہ و سرود یہ

سب عرفان کے بڑے بڑے واردات و مدارج کے نام ہیں اور ان کے ذریعے تصوّف کے اہم مسائل و دقیق اسرار مراد لئے جاتے ہیں"

اب اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اردو فارسی شاعری میں اس کا جو بڑا ذخیرہ موجود ہے وہ زیادہ تر صوفی شعرا ہی کی دین ہے۔ لغات سے ہٹ کر کسی لفظ کو مخصوص معنی پہنا دینے کی روایت انھی کے ہاتھوں پروان چڑھی ہے۔ ایسی صورت میں صوفیانہ شاعری میں عشق مجازی کو بھی عشق حقیقی ہی کے رنگ میں دیکھنا ہوگا۔ کم از کم صوفی شعرا کے حلقے کے لوگ ان کی شاعری کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی ان کے لئے لطف و انبساط کا باعث ہوتی ہے۔ اردو کے نعت گو شعرا میں بھی بعض کے یہاں مجازی و حقیقی رنگ ایک دوسرے میں اس طرح ضم ہو گئے ہیں کہ انھیں الگ کر کے دیکھنا دکھانا مشکل ہے۔ میری مراد اردو میں شاہ نیاز بریلوی، بیدم شاہ وارثی وغیرہ اور فارسی میں حافظ خسرو اور جامی وغیرہ کی شاعری سے ہے۔ یہ صوفی بھی تھے شاعر بھی۔ اس لئے ان کی عاشقانہ شاعری کو عشق حقیقی کی ترجمان کہنا پڑے گا لیکن میں پوری شاعری کو نعت سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کے یہاں مرشد و ساقی اور محبوب و مطلوب سے مراد آنحضرتؐ ہی ہیں لیکن میرے نزدیک ان کے حقیقی مخاطب حضور اکرمؐ کے سوا بھی ہیں۔ اس لئے میں ان کی شاعری کے صرف اس حصے کو نعت قرار دوں گا جس میں حضور اکرمؐ کی ذات و صفات کے اظہار میں واضح علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔

اردو کی نعتیہ شاعری کا مبصرانہ جائزہ

یہ ہیں وہ اسباب و محرکات جن کے تحت اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت پروان چڑھی ہے ۔ دکن ۔ دلی ۔ لکھنؤ ۔ رام پور ۔ بھوپال ۔ حیدر آباد اور لاہور جہاں جہاں اردو شاعری کے مرکز قائم ہوئے ہر جگہ بزم شعراء میں نعت کا موضوع مقبول عام و خاص رہا اور ہر دور میں بعض بہت اچھی نعتیں لکھی گئیں لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ اردو میں نعت گوئی کا سلسلہ زیادہ تر محض رسمی رہا ہے ۔ یعنی ہمارے شعراء نے بطور خاص نہ تو اس طرف توجہ کی اور نہ شاعری کے لئے نعت کے موضوع کو چنداں اہم خیال کیا ۔ ہاں کار ثواب سمجھ کر حمد کے ساتھ ساتھ چند شعر بطور نعت کہہ کر اپنے دیوان کے آغاز میں ضرور درج کر دیئے ہیں ۔ اس رواج کے پابند صرف مسلمان شعرا نہیں تھے بلکہ اردو فارسی کے غیر مسلم شعرا بھی یہی کرتے تھے اور یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی طور پر جاری ہے ۔ یہ رسمی نعت گوئی کسی خاص صنف تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر صنفِ سخن میں اس کے نشانات ملتے ہیں ۔ حتیٰ کہ غزلوں میں بھی کہیں واضح طور پر اور کہیں اشاروں کے ساتھ نعتیہ اشعار جگہ پا گئے ہیں اشاراتی اشعار سے میری مراد ایسے شعروں سے ہے جن کا قرینہ نعت کے موضوع پر دلالت کرتا ہے بطور مثال مندرجہ ذیل شعر دیکھئے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

یہ شعر غالب کا ہے اور اُس غزل کا ہے جس کا مطلع ہے ؎

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لئے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

کہا جاتا ہے کہ یہ شعر غالب نے تجمل حسین خاں کی شان میں کہا ہے اور اس شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے ؎

دیا ہے غیر کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

لیکن میرا دل اسے قبول نہیں کرتا۔ غالب کے اس شعر کے ساتھ میرا ذہن ہمیشہ آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارک کی طرف گیا اور میں درود شریف پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نے اس شعر میں مدح و ثنا کے جس بلند مقام کا ذکر کیا ہے اس کا اطلاق میرے نزدیک آنحضرتؐ کے سوا کسی دوسرے انسان پر ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فارسی کا یہ نعتیہ شعر ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

لڑکپن سے میرے ذہن میں محفوظ ہے اور میں غالب کے شعر کو اسی فارسی شعر سے مستفیض سمجھتا ہوں۔ اسی طرح فراق گورکھپوری کا یہ شعر ؎

محشر میں میرا دامن اب چھوڑتے نہیں ہیں
اللہ یہ وہی ہیں جن کو ترس گیا ہوں

جب میری زبان پر آتا ہے تو میرے ذہن میں آنحضرت ہی کا تصور اُبھرتا ہے۔ اس طرح کے اور کئی غزل کے اشعار ہیں جن کی فضائے معنوی کو نعت گوئی کے موضوع سے متعلق کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ اردو میں اس قسم کی مثالیں کم ہیں لیکن فارسی میں بہت ہیں۔ حافظ، خسرو اور جامی کی شاعری کا زیادہ حصہ اسی نوع کا ہے۔

اس قسم کے متفرق نعتیہ شعروں سے قطع نظر اُردو میں مختصر نعتیہ نظموں کے لیے زیادہ تر غزل ہی کی ہیئت استعمال ہوئی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ہمارے شعراء نے ان مختصر نعتیہ نظموں کو غزل کے روپ میں مطلع، مقطع اور قافیہ و ردیف کی پابند رکھا ہے بلکہ علامتی زبان و رمزیہ اسالیب بیان کے لحاظ سے بھی انھوں نے آنحضرتؐ کی محبوبیت کا ذکر عام طور پر غزل کے پیرائے میں کیا ہے۔ نعت گوئی کا یہ متغزلانہ پیرایہ کچھ تو غزل نما فارسی نعتوں کی مقبولیت کے زیر اثر اور کچھ اس سبب سے کہ ایسی نعتوں کا محفل سماع میں پڑھنا اور گانا آسان تھا بہت مقبول ہوا۔ لیکن غزل کے فارم کے ساتھ ساتھ قصیدہ، مثنوی، قطعہ رباعی اور مخمس و مسدس بلکہ جدید نظم کی ہیئت میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں اور خاصی تعداد میں کہی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے نعت کی حیثیت اردو فارسی شاعری میں صنف سخن کی نہیں بلکہ ایک موضوع کی رہی ہے۔ اس موضوع کو اُردو شعرا نے ہر صنف میں برتا ہے اور ان کی نعتیہ شاعری کی مقبولیت کا مدار کسی خاص ہیئت پر نہیں بلکہ موضوع کو سلیقے اور فنکاری کے ساتھ برتنے پر رہا ہے۔

نعت کا موضوع کتنا عظیم اور وسیع ہے، اس کے بارے میں پہلے ہی مختصراً عرض کیا جا چکا ہے۔ لیکن ہمارے شعراء اس موضوع کی عظمت و وسعت کا ساتھ پوری طرح نہیں دے سکے۔ بالعموم آنحضرتؐ سے عقیدت و محبت کا جوش و خروش اور روضۂ اقدس کی زیارت کا ذوق و شوق ہی اردو کی نعتیہ شاعری میں نظر آتا ہے۔ یہ دو پہلو ایسے ہیں جنھیں اردو نعت میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ نعتوں میں تغزل و سرمستی کی جو فضا نظر آتی ہے وہ حقیقتاً انہی کی پیدا کردہ ہے۔ آنحضرتؐ کی سیرت و زندگی کے سلسلے میں نعت گو شعرا کا زیادہ زور معجزاتِ نبوی اور سراپا کے بیان میں صرف ہوا ہے۔ آنحضرتؐ کے جسم اطہر، ملبوسات اور ان کے لوازمات کا ذکر نعتوں میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس عظیم موضوع کے دوسرے اہم پہلو اس کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں۔ سراپا کے ساتھ ساتھ معراج

کا ذکر اکثر نعتوں میں آیا ہے۔ معراج کے واقعات کو الگ طویل نظموں کی صورت میں بھی بارہا نظم کیا گیا ہے۔ چنانچہ دکنی شعرا سے لے کر آج تک نعت کے ذخیرے میں "معراج نامہ" کے نام سے سیکڑوں نظمیں نظر آتی ہیں۔ یہ نظمیں زیادہ تر مثنوی کی صورت میں ہیں لیکن دوسری ہیئتیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ نعت کے ذخیرے میں بے شمار نظمیں اور غزلیں، مناجات و درود و سلام کے عنوان سے بھی نظر آتی ہیں "مناجات" میں ہمارے شعرا نے اپنے لئے اور امتِ محمدیہ کے لئے دعائے خیر کی ہے اور آنحضرت کی ذاتِ مبارک کو وسیلۂ نجات و شفاعت کے طور پر پیش کیا ہے۔ "درود و سلام" کے عنوانات بذاتِ خود حضور اکرم پر درود و سلام بھیجنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس قسم کی نعتیہ نظموں میں چونکہ صلوٰۃ و سلام یا درود و سلام کے الفاظ مصرعوں کے شروع اور آخر میں یا ٹیپ کے بندوں میں تکرار کے ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے انھیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یوں تو اس قسم کی نظمیں ہر جگہ اور ہر موقع پر پڑھی جا سکتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن میلاد شریف یا سیرت کے جلسوں میں درود و سلام عام طور پر پیدائش کے ذکر کے ساتھ اور مناجاتیں بالعموم جلسے کے اختتام پر پڑھی جاتی ہیں۔

تاریخی نقطۂ نظر سے اردو میں نعت گوئی کی مثالیں بالکل ابتدائی دور سے ملتی ہیں۔ قدیم دکنی شعرا سے لے کر آج تک مختلف اسباب و محرکات کی بنا پر جس تواتر و تسلسل کے ساتھ نعتیں کہی گئی ہیں دوسری قسم کی نظمیں نہیں کہی گئیں قدما و متوسطین میں سے تو شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہو جس نے ایک آدھ نعت نہ کہی ہو۔ بعض ادیبوں نے اپنے بعض مقالوں میں مختلف علاقوں کی اردو نعت گوئی کا مورخانہ جائزہ بھی لیا ہے مثلاً افسر امروہوی صدیقی کا ایک اچھا مضمون دکنی شعرا کی نعت گوئی کے بارے میں ماہِ نو" بابت جولائی ۱۹۶۳ء کے "سیرت رسول" نمبر میں شائع ہوا ہے اسی طرح کا ایک مورخانہ

تبصرہ شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کے متعلق ماہنامہ تحریر دہلی میں چھپا ہے لیکن اردو نعت گوئی کا مورخانہ جائزہ صاف بتاتا ہے کہ ایک طویل مدت تک چونکہ کسی اردو شاعر نے نعت گوئی سے خصوصی شغف کا اظہار نہیں کیا اس لیے انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک نعتیہ شاعری کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو رسمی نعت گوئی کے تحت آتا ہے اور فکر و فن کے لحاظ سے اس کا معیار ایسا نہیں کہ اس کا ذکر ضروری سمجھا جائے۔

پرانے شعراء میں صرف دو نام ایسے ملتے ہیں جن کی بدولت نعت گوئی کا معیار قدرے بلند ہوا ہے۔ میری مراد کرامت علی خاں شہیدی اور غلام امام شہید سے ہے۔ کرامت علی خاں شہیدی متوفی ۱۲۵۶ھ نواح لکھنؤ ضلع اناؤ کے رہنے والے تھے اور حقیقی معنی میں عاشق رسول تھے ان کا ایک نعتیہ قصیدہ رنگ قدیم کی شاعری کا قابل ذکر نمونہ ہے۔ یہ قصیدہ اتنا مقبول ہوا کہ بعد کے متعدد شعرا نے اس کی تقلید میں قصیدے کہے اور تضمینیں لکھیں۔ اس قصیدے میں انھوں نے کہا تھا ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

ان کی یہ دعا قبول ہو گئی۔ شہیدی ۱۲۵۵ھ میں حج بیت اللہ کو گئے۔ بیمار پڑے اور وہیں ابدی نیند سو گئے۔ ان کے مشہور نعتیہ قصیدے کے چند اشعار دیکھیے۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی گرد و ز بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور تھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

تری تعریف سے میری زباں میں آئی ہے تیزی
صفاہاں تک مسخر ہو گا اس تیغِ مہند کا

شہیدی کا یہ قصیدہ خاصا طویل ہے اور ان کے اردو دیوان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء مطابق ۱۲۹۳ھ میں شامل ہے۔ اس دیوان میں دو قابلِ ذکر نعتیں اور ہیں پہلی نعت کا مطلع ہے ؎

مرا سینہ ہے بیشہ بود و باشِ شیر یزداں کا
فضائے لامکاں سے قرب ہے میرے نیستاں کا

یہ نعت ناسخ کی مشہور زمین میں ہے اور زبان و بیان کی صنائیوں کے لحاظ سے لکھنوی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ دوسری نعت اس طرح شروع ہوتی ہے ؎

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمدؐ
واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمدؐ

علاوہ ازیں دیوانِ شہیدی میں مولانا جامی کی ایک نعتیہ غزل کا خمسہ بھی قابلِ مطالعہ ہے۔

شہیدی کی طرح غلام امام شہید نے بھی معیاری نعت کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ شہید نے اردو فارسی دونوں زبانوں میں بلند پایہ نعتیں کہی ہیں۔ ان کی تصنیف کردہ کتاب "میلادِ شہیدی" بھی بہت مقبول ہوئی ہے' یہ آج تک مولود شریف کی محفلوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میلاد شریف میں بعض اعلیٰ درجے کی نعتیں بھی شامل ہیں۔ اس میلاد شریف کے جعلی نسخے بھی بعض مطبعوں نے چھاپ دیئے ہیں لیکن پرانے مطبوعہ نسخے بھی مل جاتے ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بھی ایک نسخہ میری نظر سے

گذرا ہے۔ علامہ امام شہید کے فارسی کلیات مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۰ھ میں دو نعتیہ چیزیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مخمس اور ایک بحرِ طویل میں قصیدہ۔ مخمس حضرت امیر خسرو کی مشہور نعتیہ غزل پر کہا گیا ہے۔ خسرو کی غزل کا مطلع و مقطع پچھلی سطور میں بطور حوالہ نقل کیا جا چکا ہے اس جگہ شہید کے مخمس کے دو بند بطور نمونہ دیکھئے ؎

اے مبتلائے عشقِ تو جن و بشر حور و پری
روشن زعکسِ حسنِ تو آئینۂ پیغمبری
نورِ رخت رامشتری ہم زہرہ و ہم مشتری
اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیباتری

در بارگاہِ مصطفیٰ می کرد ہاتف ایں صدا
کائے شافعِ روزِ جزا وے خواجۂ ہر دو سرا
سرتا بپا محو لقا ہمچو شہیدِ بے نوا
خسرو غریب است و گدا افتاد در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

شہید نے بحرِ طویل میں جو نعتیہ قصیدہ کہا ہے وہ آنحضرتؐ کی پیدائش کے موقع کے لئے ہے۔ فارسی داں میلاد خواں آج بھی اسے محفلوں میں پڑھتے ہیں۔ اس قصیدے کی تشبیب بہاریہ اور ہر مصرع مرصع و مسجع ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ محض الفاظ کا انبار لگا یا گیا ہو یا محض زبان و بیان کا رعب جمانے کے لئے ترصیع و سجع کے لئے ہم وزن و ہم قافیہ ٹکڑے جمع کئے گئے ہوں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ پورا قصیدہ جوشِ محبت سے لبریز ہے اور طبیعت کی آمد کا پتہ دیتا ہے۔ صرف چند اشعار بطور مثال اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں ؎

آمد بہارِ پُرفتن، سرگرم آشوبِ زمن، از رنگِ گلہائے چمن، از خار و خس آتش فگن
گلگوں قبا، گل پیرہن، رنگیں ادا، نسریں بدن، از پرتوِ خود برق زن، در خرمنِ صد جان و تن
وقت است اگر ہر خشک و تر، باہم شود شیر و شکر، وقت است اگر شام و سحر، جو ہند وصل یکدگر
وقت است بالیدن اگر، بالیدگی گیرد زمیں، تا دانہ گنجد از اثر، نشو و نما در پیرہن
از مقدمِ نورِ خدا، الشمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، نجم الہدیٰ، خیر الوریٰ، بحرِ عطا، ابرِ سخا
کانِ حیا، کوہِ وفا، جانِ ولا، شانِ علا، شمعِ بقا، مہرِ ضیا، ماہِ صفا، شاہِ زمن
در محفلِ میلادِ او، پیمانہ رقصاں با سبو، دلہا ز زلفِ مشکبو، مرہونِ منت مو بمو
بلبل بہ گل از آرزو پیوستہ دارد گفتگو، پروانہ یابد آبرو، از وصلِ شمعِ انجمن
اختر شماراں ہر طرف، دفتر نگاراں ہر طرف، آئینہ داراں ہر طرف، خدمتگذاراں ہر طرف
چابک سواراں ہر طرف، اُمیدواراں ہر طرف، چوں من ہزاراں ہر طرف، جمع اند در طرفِ چمن
اے جانِ ما خوش آمدی، جانانِ ما خوش آمدی، درمانِ ما خوش آمدی، برہانِ ما خوش آمدی
سلطانِ ما خوش آمدی، مہمانِ ما خوش آمدی، ایمانِ ما خوش آمدی، بادا فدایت جان و تن
اے مظہرِ نورِ خدا، اے مرجعِ شاہ و گدا، دانی کہ در شوقت چہا، بر من گذشت از ابتلا
چوں عندلیبِ بے نوا، از آشیاں ہستم جدا، بیگانہ گشتم ز آشنا، گردیدہ ام دور از وطن

زبان و بیان کی یہی شگفتگی اور قادر الکلامی کی یہی شان ان کے یہاں اُردو میں بھی نظر آتی ہے۔ چھوٹی بحر ہو یا بڑی دونوں میں ان کی طبیعت دریا کی طرح بہتی ہے پہلے چھوٹی بحر کے ایک قصیدہ کے چند اشعار دیکھئے ؎

چمن میں آج کیوں شورِ فغاں ہے
کہ گل خنداں ہے بلبل نوحہ خواں ہے
طرب انگیز ہے پھولوں کی خوشبو

نشاط انگیز رنگِ گلستاں ہے
نہ جنت ہے نہ ہے عرشِ معلّٰی
محمد مصطفےٰ کا یہ مکاں ہے
محمدؐ بادشاہِ دو جہاں ہے
محمدؐ قبلہ گاہِ مقبلاں ہے
محمدؐ شمع ہے بزمِ قدم کی
محمدؐ مالکِ کون و مکاں ہے
محمدؐ ہے دوائے دردمنداں
محمد چارۂ بے چارگاں ہے
محمدؐ سے ہوئی تکوینِ کونین
محمدؐ مدعائے کن فکاں ہے

بحرِ طویل میں اُنھوں نے فارسی قصیدہ کی طرح ہر مصرع میں سجع و ترصیع کا لحاظ رکھا ہے اور جذبات کے آبشار کو الفاظِ نغمہ بار سے اس طرح ہم آہنگ کر دیا ہے کہ قاآنی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ زمین وہی ہے جو فارسی قصیدے کی ہے۔ اُردو میں یہ شہید کا مقبول ترین قصیدہ ہے اور میلاد شریف کے جلسوں میں آج بھی آنحضرتؐ کے ذکرِ پیدائش کے موقعوں پر پڑھا جاتا ہے۔ صرف تشبیب کے دو شعر بطورِ مثال اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں :-

آئی بہارِ اب ہر چمن، ہے بلبل و گل کا وطن، دیر و حرم سے نعرہ زن آتے ہیں شیخ و برہمن
زاہد سے کہہ دو یہ سخن، ہے فصلِ گل توبہ شکن، گر چاہے عیشِ جان و تن میخوار کا سیکھے چلن
ساقی جو شوخ و شنگ ہے، مستِ مئے گلرنگ ہے، مطرب جو خوش آہنگ ہے، محوِ نوائے چنگ ہے
دل عاشق کا اور رنگ ہے، غم خستہ دل تنگ ہے، بلبل ہے خوش دل رنگ ہے، شادی سے گل ہے خندہ زن

کرامت علی شہیدی اور غلام امام شہید کی طرح پرانے شعرا میں سے یوں تو نعتیہ قصائد اور مثنویاں بہتوں کے کلام میں نظر آتی ہیں لیکن جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں اس ذخیرے کا زیادہ حصہ رسمی ہے اور شاید اسی لئے کسی نعتیہ غزل یا نظم کو قبول عام حاصل نہیں ہوا ہاں انشاء اللہ خاں کے ایک نعتیہ خمسہ نے نعت سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنی طرف ضرور متوجہ کیا ہے بطور حوالہ اس کا پہلا بند دیکھئے ؎

آپ خدا نے جب کہا صلّ علیٰ محمدٍ
کیوں نہ کہیں پھر انبیا صلّ علیٰ محمدٍ
عرش سے آتی ہے صدا صلّ علیٰ محمدٍ
نورِ جمالِ مصطفےٰ صلّ علیٰ محمدٍ
صلّ علیٰ نبیّنا صلّ علیٰ محمدٍ

اُردو میں نعت گوئی کا مقبول ترین اور کامیاب ترین دور حقیقۃً محسن کاکوروی اور امیر مینائی سے شروع ہوتا ہے۔ دونوں قال اللہ قال الرسول کے پابند اور حُبِّ رسولؐ سے سرشار تھے۔ دونوں نے نعتیہ شاعری میں ایک بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ دونوں ہم عصر و ہم عمر ہیں اور اُردو کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی پر قدرت رکھتے ہیں، دونوں نے اگرچہ ہر صنف میں نعتیں کہی ہیں لیکن دونوں کے کمالِ فن کا حقیقی مظاہرہ قصیدوں اور مثنویوں میں ہوا ہے۔ دونوں نے اپنے نعتیہ کلام کو یکجا کر کے خاص اہتمام سے شائع کیا ہے اور اُردو میں نعتیہ شاعری کی ترتیب و تدوین کی نئی طرح ڈالی ہے۔ اس طرح دونوں نے ہم عصر اور بعد کے آنے والے شعراء کو خاصا متاثر کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اُنیسویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک اُردو شعرا نے نعت کے موضوع سے جس گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور جس شغف کے ساتھ اپنے کلام میں حبِ رسولؐ کو جگہ دی ہے اسے اول اول شاعری کی بلند سطح تک پہنچانے میں محسن کاکوروی اور امیر مینائی ہی کا ہاتھ رہا ہے

لیکن محسن کا مرتبہ نعت گوئی میں امیر سے برتر ہے۔ محسن عمر میں بھی دو چار سال امیر سے بڑے ہیں اور امیر نے محسن ہی سے متاثر ہو کر نعت گوئی کو اپنایا ہے اس لئے امیر کے ذکر سے پہلے محسن کی شاعری کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

محسن کاکوروی متوفی ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۲ھ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا اور اس بلند سطح تک لے گئے جس سے آگے بڑھنا دوسروں کے لئے آسان نہ رہا۔ محسن نے دوسرے شعرا کی طرح نعت گوئی کو جزوی اور رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ اپنے فکر و فن کی جولانگاہ بنایا ہے۔ اُنھوں نے مروجہ شاعری کی ہر صنف مثلاً قصیدہ، رباعی، غزل اور مثنوی سبھی میں نعت کے فن کو برتا ہے اور ایسی انفرادیت کے ساتھ کہ اردو شاعری کی تاریخ میں نہ ان سے پہلے کوئی اس کی مثال نظر آتی ہے اور نہ ان کے بعد۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت کو مستقل حیثیت دینے، اس کے امکانات کو روشن کرنے اور شاعری کی بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔

"کلیات نعت مولوی محمد محسن" مرتبہ نور الحسن مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ (۱۹۰۸ء) پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ محسن کاکوروی کو نعت کے موضوع سے شروع ہی سے دلچسپی رہی ہے انھوں نے اپنا پہلا نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے ؎

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن

سولہ سال کی عمر میں کہا تھا اس قصیدے کا نام "گلدستۂ رحمت" ہے۔ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء کی تصنیف ہے، پہلے علیحدہ شائع ہوا ہے پھر کلیاتِ محسن میں شامل کر دیا گیا۔ اس قصیدے کے چند اشعار دیکھیے سراپائے حضورؐ سے متعلق ہیں ؎

کس کی آنکھوں کا ہوں بیمار اطبا نے جو آج

میرے تلوؤں سے ملا دیدۂ آہوئے ختن

آج کس صاحب شوکت کی میں تکتا ہوں راہ

کہ فرشتے ہیں اُٹھائے ہوئے در کی چلمن

رنگ و بو کس گل رعنا کی پسند آئی ہے

نہ مجھے خواہش گل ہے نہ ہے پروائے چمن

تنگ ہوں سیر گلستاں سے میں کس کے باعث

کونسا پردۂ اسرار میں ہے غنچہ دہن

وصف ابرو میں کوئی بیت لکھوں بسم اللہ

چل کے محراب عبادت میں جھکا دوں گردن

یہ اشعار سولہ سال کی عمر کی تخلیق ہیں اور ان کی اُٹھان بتاتی ہے کہ اس قصیدے کا نوجوان شاعر آئندہ عظیم نعت گو شاعر ہوگا۔ واقعی یہی ہوا محسن کاکوروی اُردو نعت گوئی کی تاریخ کا روشن ترین ستارہ بن گئے۔

کلیاتِ محسن میں "گلدستۂ رحمت" کے علاوہ چار قصیدے اور ہیں ایک ابیاتِ نعت دوسرا "مدیح خیر المرسلین" تیسرا "نظمِ دل افروز" اور چوتھا "انیسِ آخرت"۔ ابیاتِ نعت کا سالِ تصنیف ۱۲۷۰ھ ہے اس کا مطلع ہے

مٹا نا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب وجد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

محسن نے یہ قصیدہ شہیدی کے مشہور نعتیہ قصیدہ کی زمین میں کہا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ قصیدہ کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس زمین میں امیر مینائی اور بعض شعرائے بھی قصیدے کہے ہیں، تضمینیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن شہرت و مقبولیت صرف دو کو ملی ہے ایک شہیدی کو دوسرے محسن کاکوروی کو۔ قصیدہ "نظمِ دل افروز" مرقومہ ۱۳۱۸ھ میں اسی

کے قریب اشعار ہیں۔ مطلع ہے ؎

ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار و مضطر میں
یہ مہمان عزیز اُترا ہے کس اُجڑے ہوئے گھر میں

انیس آخرت ؒ کے عنوان کا قصیدہ ۱۳۲۴ھ کی تصنیف ہے۔ یہ ساٹھ ہینسٹھ اشعار پر مشتمل ہے اس کا مطلع ہے ؎

ازل سے عشق حسن بے نشاں کے روئے تاباں کا
لئے صد فتنۂ محشر ہوا مہماں دل وجاں کا

ان سب قصیدوں سے محسن کی قادرالکلامی اور آنحضرت ؐ سے اُن کی والہانہ محبت کا ثبوت ملتا ہے لیکن ان کے کمال فن کا حقیقی مظاہرہ اور شہرہ فی الواقع "مدیح خیرالمرسلین" کے سبب ہوا ہے۔ محسن کا یہ نعتیہ قصیدہ اُردو میں اپنے نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے۔ لیکن اس کا رنگ روپ اُردو فارسی کے نعتیہ قصائد کی تشبیبوں سے بہت مختلف ہے۔ محسن نے اپنی بہاریہ تشبیب میں ایسے مقامی رنگوں سے کام لیا ہے جو اس سے پہلے اُردو کے نعتیہ قصائد میں نظر نہیں آتے محسن نے اس قصیدے میں برسات کے موسم اس کے اثرات، ہندوانہ ماحول، مقامی رسم و رواج، تقریبات اور تہوار، ہندی الفاظ و تلمیحات اور ہندوؤں کی بعض تہذیبی و مذہبی روایات کو اس خوش اسلوبی اور فن کاری سے برتا ہے کہ ان کے قصیدے کا کچھ اور ہی عالم ہوگیا ہے۔ تشبیب کے چند اشعار دیکھیے :-

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی

کر چلے آتے ہیں تیر تھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی

ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی

پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن

سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں

تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا

نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے

نوجوانوں کو سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے

بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل
کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی

بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہل چل
قمریاں کہتی ہیں طوبے سے مزاجِ عالی

لالہ باغ سے ہندوئے فلک کھیم کُسل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ

چشمِ کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

یہ تشبیب نعتیہ قصائد کی تاریخ میں بالکل اچھوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی سیرت و محبت کے بیان میں ہندوانی تہذیب اور تہذیبی اصطلاحات کا سہارا اس سے پہلے کسی نے نہیں لیا تھا۔ عام طور پر قصیدے کی تشبیب انھی بندھے ٹکے الفاظ اور اصطلاحات و تشبیہات میں کہی جاتی تھی جو عربی اور فارسی شعرا کے ذریعہ اردو میں مروج و مستعمل تھے اس لئے محسن کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا اسے بعض متشرع حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے گئے۔ یہ محض تنگ نظری اور بدذوقی تھی ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جس علاقے کی زبان میں آنحضرتؐ کی زندگی اور سیرت کا بیان کیا جائے گا۔ اس بیان میں حسن و تاثیر پیدا کرنے کے لئے اس زبان اور اسی علاقے کی تہذیبی علامتوں سے مدد لینی ہوگی۔ محسن نے یہی کیا ہے اُنھوں نے ہندوانہ رسم و رواج اور اصطلاحات کا استعمال کر کے سیرت کے بیان کو خوشگوار مؤثر اور دلکش بنایا ہے۔ ان کی اس تشبیب کو جب قصیدے کے گریز کے ساتھ ملاکر پڑھیے تو سارے اعتراضات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ امیر احمد مینائی نے معترضین کے جواب میں بہت صحیح لکھا ہے کہ:

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نعت میں متھرا، گوکل و کنہیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفعِ دخل کیا جاتا ہے کہ لغت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکرِ ایام شباب کرنا اور اصطلاحِ شعر میں مضامینِ عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیصِ مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایتِ زمانہ کرتا ہے۔ کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے الغرض متبعانِ کلامِ اساتذہ حقیقت شناسانِ تشبیب و قصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت

منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے ؎

صبح کہ در ہوائے پرستاریٔ وثن
جنبد کلیدِ بتکدہ در دستِ برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلعم کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے اس کی تحسین فرمائی"۔

(کلیاتِ نعت مولوی محمد محسن صہ ۱۵۵ مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ)

خود محسن کاکوروی نے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ جواب قصیدے ہی کی زمین میں ہے اور شاعرانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عالمانہ و مدلل ہے۔ چند شعر دیکھئے ؎

گو قصیدہ سے جدا ابرِ بہارِ تشبیب
فکر کے تازہ دم کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضموں کہیں عشق کہیں حسن
کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے ناداں
کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلمان مع تمہید و گریز
رجعتِ کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر

شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فصیل

چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہہ

نیم رُخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل

ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طولِ سخن

مگر ایمان کی کہیۓ تو اسی کا تھا محل

کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا

مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل

ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے

سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبیِ مُرسل

محسن نے اس قصیدے میں جدت یہ کی ہے کہ اس کے بیچ میں دو غزلیں بھی شامل کر دی ہیں۔ قصیدے میں غزل کی شمولیت نئی چیز نہیں۔ لیکن محسن نے جس خاص شکل کی غزلیں شامل کی ہیں وہ قصیدے کی تکنیک میں نئی چیز ہے۔ اب تک یہ ہوتا تھا کہ جس زمین اور قافیہ و ردیف میں قصیدہ ہوتا تھا اس کی غزلیں اس میں جگہ پاتی تھیں محسن نے اس روایت سے انحراف کیا۔ قصیدے میں "بادل" قافیہ تھا۔ محسن نے غزل میں اسے ردیف بنا لیا اور بادل سے پہلے کے لفظ "متھرا" کو قافیہ قرار دے لیا۔ دونوں غزلوں کے اشعار نمونے کے طور پر دیکھیۓ ؎

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل

برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل

میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش
کسی بے درد کو دکھلائے کرشمہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھوں کا ہے اُترا ہوا صدقہ بادل
جوش پر رحمتِ باری ہے چڑھاؤ خُم ہے
چشمکِ برق سے کرتا ہے اشارہ بادل

(۲)

کیا جُھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر مے کدۂ ہند و صنم خانۂ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل

دونوں غزلیں قصیدے کے مضامین سے مربوط ہیں اور اسی مستانہ و عاشقانہ فضا میں ڈوبی ہوئی ہیں جو اس قصیدے پر مطلع سے مقطع تک چھائی ہوئی ہے محسن نے دوسری غزل کے بعد قصیدے کے آخر میں مناجات کے طور پر بھی کچھ اشعار تازہ مطلع کے ساتھ کہے ہیں۔ یہ اشعار قصیدے کی روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بطور مثال اس جگہ ابتدائی دو شعر اور آخری شعر دیکھئے۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

آخری مصرع بتاتا ہے کہ قصیدہ جس مصرع سے شروع ہوا تھا اسی پر آکر ختم ہو گیا۔ یہی صورت قصیدے کے معنوی پہلو کی ہے۔ پہلے شعر سے حسنِ الفاظ و حسنِ معنی کی جو خوشگوار فضا قائم ہو گئی تھی وہ آخر تک برقرار رہی ہے اور ایسے ربط و تسلسل کے ساتھ کہ کہیں سے کوئی شعر نکال نہیں سکتے۔ اِس لحاظ سے یہ نعتیہ قصیدہ فنِ قصیدہ سے آگے بڑھ کر مثنوی اور غزل کے فنی معیار پر بھی پورا اُترتا ہے۔ ربطِ بیان اور تسلسلِ بیان کے لحاظ سے اس میں مثنوی کا لطف ہے۔ قادر الکلامی، زبان و بیان کے شکوہ و تخیل کی پرواز و زورِ کلام کے اعتبار سے یہ اچھے سے اچھے قصائد کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ محبت کے والہانہ اظہار، رندانہ و پاکبازانہ خیالات اور متغزلانہ بیان نے اسے مومنؔ اور حسرتؔ کی غزلوں کا حریف بنا دیا ہے لیکن لفظ و معنی کی اس ہم آہنگی و رنگا رنگی میں نعت کے حدود کو پھلانگ جانے کی کوشش نہیں ملتی بلکہ محسنؔ کی نعتیں متغزلانہ و عاشقانہ فضا رکھنے کے باوجود عام طور پر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ہی کی ترجمان رہتی ہیں۔ کلیاتِ محسنؔ کے مرتب نے بہت صحیح لکھا ہے کہ:

"چونکہ نعتیہ کلام سے شہرت و عزت یا شاعرانہ وقعت و دُنیاوی صلے کی خواہش نہیں تھی اِس لئے ان کی نظم سے خلوصِ عقیدت کا رنگ ٹپکتا ہے۔ گل و بلبل کے پیش پا اُفتادہ مضامین سے ذہانت اُن کو دور رکھتی تھی۔ وہ مضمون نکالتے قرآن پاک و حدیث شریف سے اور اُس کو مذاقِ شاعرانہ میں اس خوش اسلوبی سے کھپاتے تھے کہ سامعین ادب سے سُنتے اور درود کے نعرے بلند کرتے۔ ان کے قادر الکلام ہونے کا بین ثبوت اور قوی دلیل یہ ہے کہ بیانِ حکایت میں شاعرانہ شوخی حدودِ تہذیب و متانت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی ہے اور مبالغے کے

استعارات صلاحیت کے جوہر اپنے ساتھ لئے رہتے ہیں۔ جہاں کوئی مناسب موقع ہے اور حدیث شریف میں اس کی تصریح نہیں ہے، اس کو اس انداز سے لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے کو صاف تمیز ہو جاتی ہے کہ اس قدر مضمون جزوِ حدیث نہیں ہے بلکہ کلام بزبانِ حال ہے۔ ان کی صدا بہار طبیعت حسرت و یاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے شگفتگیِ طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کا شان و شکوہ، بندش کی چستی ان کا خاصۂ طبیعت ہے۔ تشبیب و گریز لکھنا ان کا حصہ تھا۔ خاتمہ و مناجات ہیں وہ طرزِ خاص کے موجد ہیں ۔"

فی الواقع محسن کا قصیدہ لامیہ "اردو شاعری کے بہترین قصیدوں میں سے ایک ہے۔ محسن نے قصیدے ہی کے ایک شعر میں اسے مستانہ غزل سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تعبیر بے بنیاد نہیں ہے۔ قصیدہ سر تا سر تغزل میں ڈوبا ہوا ہے۔ محسن میں یقین و اُمید اور شگفتگی و زندہ دلی کے عناصر اتنے قوی ہیں کہ وہ حسرت و محرومی یا بے دلی و بے کیفی کی فضا کلام میں پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔ ان کی رجائی طبیعت نے لفظ و معنی دونوں میں ندرتِ خیال و ندرتِ بیان کے جادو جگائے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے کیسی دلآویز ہیں ؂

کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی مہِ نو کی کشتی
بحرِ اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اُٹھائے گھونگھٹ
چشمِ کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

جو گیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبھوت

یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل

صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح

پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل

محسن کے اس "قصیدۂ لامیہ" کی تقلید و تضمین میں بہت سے شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔ سب سے کامیاب تضمین منشی عبدالمجید سحر مرحوم کی ہے۔ اس تضمین کا تاریخی نام "مدحِ پیغمبر" ہے۔ ۱۳۰۶ھ میں کہی گئی ہے اور "کلیاتِ محسن" کے حاشیہ میں قصیدہ لامیہ کے ساتھ ہی شائع ہو چکی ہے۔

محسن نے نعت کے موضوع پر مثنویاں بھی کہی ہیں۔ ان مثنویوں میں صبحِ تجلّی اور چراغِ کعبہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پہلی ۱۲۸۹ھ اور دوسری ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی ہے۔ دونوں "گلزارِ نسیم" کی زمین میں کہی گئی ہیں اور اسی رنگ میں ہیں یعنی تلمیحات، استعارات، تشبیہات اور رعایتِ لفظی کی وہ طلسمی فضا جو گلزارِ نسیم میں نظر آتی ہے محسن کی مثنویوں پر بھی چھائی ہوئی ہے۔ "صبحِ تجلّی" کا موضوع آنحضرتؐ کی "ولادت" اور "چراغِ کعبہ" کا "معراج" ہے۔ پہلے چند شعر "صبحِ تجلّی" کے دیکھئے ؎

بیضاوی صبح کا بیاں ہے — تفسیرِ کتابِ آسماں ہے

ہر دشت ہے مثلِ دشتِ ایمن — ہر کوہ برنگِ طور روشن

آنکھیں نظارے کی طلبگار — نظّارے کا بختِ خفتہ بیدار

منظور ہے حُسن کا تماشا — ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا

ہے شرق سے غرب تک پریشاں — نورِ عینین پیرِ کنعاں

وہ سورۂ یوسفِ تجلّی — یہ مطبعِ مصر کی عزیزی

ہے وقت اخیرِ شب خلاصا | الواح زبرجدِ فلک کا
ہنگامِ سپیدۂ سحر گاہ | ساعات میں روز و شب کی واللہ
اک مخبرِ صادق البیاں ہے | پیغمبرِ آخر الزماں ہے
کیفیتِ وحی میں ہے بلبل | ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گُل
سبزہ ہے کنارِ آبجو پر | یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی | تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے | قد قامتِ سروِ دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں کی ہے | اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات | جاری ہے لبِ جو التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصوّر | تحریمۂ تاکِ ربِ اغفر
پھیلی ہوئی بوئے گُل چمن میں | اور صیقلِ علی کا غسل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم | یا صومِ سکوت میں ہے مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے | اور آبِ رواں طواف میں ہے

زبان و بیان کی یہی صناعی اور یہی آرائش "چراغِ کعبہ" میں بھی شروع سے آخر تک نظر آتی ہے۔ بایں ہمہ مثنوی حسن و اثر سے خالی نہیں ہے۔ بطور مثال اس کا بھی ایک ٹکڑا دیکھئے ؎

بھیگی ہوئی رات آبرو سے | داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام | شبنم کی ردا بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال | جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا ہے رنگ فق ہے | سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرا | پردیں کو بنائے منہ کا سہرا

آنا کھلتا ہوا نہ جانا | اندازِ خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس و ہمدم | انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے | لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی | کلیاں یوسف کے پیرہن کی

یہ اشعار مثنوی کی تمہید یا پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد "گریز" کے عنوان سے معراج کی رحمت آفریں رات کا منظر کھینچا گیا ہے۔ بعد ازاں "مدح جبرئیل" "صفتِ براق" اور "مسجد اقصیٰ" وغیرہ کے عنوان کے ساتھ فلکِ اول تا فلکِ ہفتم کی سیر اور آخر میں جنت و دوزخ، عرش و کرسی، اور مقامِ اعلیٰ پر آنحضرت کے ورود فرمانے کا بیان ہے۔ مثنوی مناجات پر ختم ہوتی ہے اور زبانِ لکھنؤ میں محسن کاکوروی کی فنی مہارت اور شاعرانہ فطانت کا سکہ جمالی ہے۔

کلیاتِ محسن میں قصائد، مثنویات کے علاوہ نعتیہ خمسے غزلیں اور رباعیات بھی ہیں اور ان سب میں محسن نے اپنے معیارِ نعت گوئی کو برقرار رکھا ہے لیکن جیسا کہ اوپر تفصیل دی جا چکی ہے فکر و فن کے جو محاسن ان کے قصیدہ "مدیح المرسلین" میں در آئے ہیں وہ کسی اور جگہ نظر نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے جو شہرت اس قصیدے کو ملی وہ کسی دوسری نظم کو حاصل نہ ہوئی۔

محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری اور صحبت کے زیرِ اثر آخری عمر میں امیر مینائی (۱۸۲۹ء تا ۱۹۰۰ء) نے بھی نعت گوئی کی طرف خاص توجہ کی ہے چنانچہ ان کا اولین نعتیہ خمسہ وہ ہے جو محسن کے قصیدے کی تضمین کے طور پر کہا گیا ہے۔ پہلے یہ الگ شائع ہوا بعد کو امیر کے نعتیہ مجموعہ کلام "محامدِ خاتم النبیین" میں چھپا تھا۔ اس کا جو اڈیشن امیر مینائی کی مولود شریف "خیابانِ آفرینش" کے ساتھ شائع ہوا ہے وہ اس وقت میرے سامنے ہے اس میں نعتیہ قصائد، غزلیں، مناجات، ترجیع بند، مسدس، مخمس اور

تضمین بھی شامل ہیں۔ قصائد عام طور پر مشکل زمینوں میں کہے گئے ہیں اور امیر مینائی کی قادر الکلامی و زبان دانی کا سکہ بٹھاتے ہیں۔ قصیدہ نگاری کے لوازم کو بھی یہ پورا کرتے ہیں۔ لیکن بلحاظ شاعری ایسے نہیں کہ انھیں نعت گوئی کی تاریخ میں قابلِ ذکر اضافہ کہا جا سکے۔ حافظ اور جامی کی غزلوں کی نعتیہ تضمین البتہ خوب ہیں۔ آنحضرتؐ کی پیدائش کے بیان میں مسدس کی صورت میں ترجیع بند میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا ہے وہ بھی زبان و بیان کا بہت اچھا نمونہ ہے بعض مقامات پر اس مسدس کا حسن و زور انیس و دبیر کے مرثیوں سے جا ملتا ہے۔ صرف دو بند بطور مثال دیکھئے ؎

کر دو خبر یہ محفلِ میلادِ شاہ ہے
یاں آمدِ جنابِ رسالت پناہ ہے
اُمت چلے رسول کی یہ جلوہ گاہ ہے
سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربارِ عام گرم ہوا اشتہار دو
جن و بشر سلام کو آئیں پکار دو

جن کوہِ قاف سے تو جناں سے ملک چلے
آنکھوں سے انجم و مہ و مہر و فلک چلے
بحرِ رواں سے مردمِ آبی تلک چلے
جتنے تھے وحش و طیر وہ سب مشترک چلے
دربارِ عام گرم ہوا اشتہار دو
جن و بشر سلام کو آئیں پکار دو

نعتیہ غزلوں کی تعداد امیر کے یہاں خاصی ہے۔ یہ در اصل امیر کا نعتیہ دیوان

ہے جس میں الف سے لے کر ی تک کی ردیف کی نعتیہ غزلیں ترتیب وار درج ہیں۔ غزلوں کے ساتھ بعض نظمیں بھی شامل کردی گئی ہیں۔ نعتیہ غزلوں میں امیر نے آنحضرتؐ کے اوصاف و کمالات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کو بھی اُجاگر کیا ہے معجزات کو توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ غزوات اور دوسرے کارناموں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بعض دوسری روایات و واقعات زندگی کا بھی تذکرہ کیا ہے اور کہیں کہیں آنحضرتؐ سے جوشِ عقیدت و فرطِ محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔ عقیدت و محبت کا یہی اظہار جہاں جہاں بھرپور ہوگیا ہے ان کی نعتیہ غزلوں میں دلکشی و تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔ ان کی بعض نعتیہ غزلیں پوری کی پوری بہت اچھی ہیں اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ ایسی غزلوں کے مطلعے بطور حوالہ درج کیے جاتے ہیں جو محاسنِ شعری سے مالامال ہونے کے سبب اردو کی مقبول ترین نعتوں میں شمار ہوتی ہیں ؎

چٹک کے کہتا ہے غنچہ غنچہ گلوں سے بڑھ کر بہار تم پر
چہک رہی ہے چمن میں بلبل ہزار جانیں نثار تم پر

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

محسن کاکوروی اور امیر مینائی کی طرح مولانا حالی نے بھی اسلامی اقدار اور نعت کے موضوع سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ مولانا حالی شاعر تھے، نقاد تھے، سوانح نگار تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سچے مسلمان اور ملتِ اسلامیہ کے غمخوار تھے۔ ان جیسے پاک نہاد اور پاک سیرت ادیب روز روز نہیں ہوتے۔ پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی ان کی شخصیت اور فن دونوں سے متاثر ہوئی ہے۔ اس تاثیر میں حالی کے ان ملی خیالات و جذبات کا بڑا دخل ہے جن کے نقوش ان کی شاعری کے ساتھ ان کی زندگی میں بھی صاف نظر آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا حالی نے جس دردمندی اور خلوصِ نیت کے ساتھ اسلامی قدروں کو اپنے فکر و فن کا محور بنایا ہے اُردو کے بہت کم شاعروں نے بنایا ہے۔ پرانی غزلوں کو چھوڑ کر ان کی شاعری کا شاید ہی کوئی جزو ہو جس میں آنحضرتؐ کی سیرت اور پیغام کا عکس صاف نظر نہ آتا ہو لیکن نعت کے موضوع پر براہِ راست بھی اُنھوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔

ان کا مجموعۂ کلام دو جلدوں میں کلیاتِ نظم حالی کے عنوان سے ۱۹۶۸ء میں مجلس ترقیٔ ادب لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حالی نے ہر صنف میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ رباعی، مخمس، غزل، قصیدہ اور مسدس سب میں نعت گوئی کے نمونے مل جاتے ہیں۔ نعتیہ قصیدوں میں بلند پایہ وہ ہے جو غالب، مومن اور ذوق کی مشترک زمین (آسماں کے لئے، جاں کے لئے، بیاں کے لئے) میں کہا گیا ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دوجہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں
عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لئے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم
رہا نہ تفرقہ روز و شب زماں کے لئے
صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بد اندیش و بدگماں کے لئے
نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لئے
حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالی
کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لئے

اس قصیدے میں صرف تینتیس اشعار ہیں اور غیر ضروری مبالغہ اور لفظی صناعیوں سے پاک ہیں۔ دوسرا قصیدہ اس سے لمبا ہے۔ اس کا بھی مطلع اور آخری شعر بطور حوالہ دیکھتے چلئے:

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور
مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور
جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

حالی کی نعتیہ شاعری کے سلسلے میں ان کا ایک فارسی مخمس بھی قابل ذکر ہے۔ یہ مخمس غالب کی فارسی نعتیہ غزل کی تضمین میں کہا گیا ہے۔ صرف آخری بند دیکھئے۔

ہمت بہ مدح شہ من و حالی گماشتیم
گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم

چون کام ولب فراخورِ وصفش نداشتیم
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاکِ مرتبہ دانِ محمدؐ است

لیکن نعت گوئی کے سلسلے میں حالی کی شہرت قصیدہ و مخمس کے سبب نہیں بلکہ مسدس کے ایک ٹکڑے اور ایک غزل نما مناجات کے سبب قائم ہے۔ مولانا حالی نے اپنا مسدس مدوجزرِ اسلام سرسید کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اس کے سیکڑوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مسدس کیا ہے مسلمانوں کے عروج و زوال کی عبرتناک اور دردناک داستان ہے۔ حالی نے اس مسدس کے ابتدائی حصے میں جہاں آنحضرتؐ کی بعثت کا سال نظم کیا ہے وہاں اس محسنِ انسانیت کے بعض صفات کا ذکر بھی کیا ہے۔ میری مراد مسدس کے اس مقام سے ہے جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔[۱]

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

حالی کے یہ نعتیہ اشعار ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں ان میں نہ تو فکر و خیال کی جدت دکھانے کی کوشش کی گئی ہے نہ کسی قسم کے مبالغے یا لفظی اہتمام سے کام لیا گیا ہے نہ غیر ضروری معنی آفرینی کو جگہ دی گئی ہے نہ الفاظ کی شعبدہ گری کو شاعری کا طرۂ امتیاز سمجھا گیا ہے۔ نہ زبان و بیان کے ظاہری شکوہ کو اہمیت دی گئی ہے اور نہ تخیل کی بے جا اڑان کہیں نظر آتی ہے۔ حالی نے جو کچھ کہنا چاہا ہے درد بھرے دل کے ساتھ حد درجہ معصوم سادہ اور بے ساختہ زبان میں کہہ دیا ہے۔ صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولانا جو کچھ کہہ رہے ہیں دل کی گہرائیوں کے ساتھ کہہ رہے ہیں چنانچہ وہ آنحضرتؐ کی زندگی پر روشنی ڈالیں یا ان کی سیرت کا بیان کریں۔ انسان اور انسانیت پر ان کے الطاف و اکرام کا جائزہ لیں یا ان کی ذاتِ گرامی کے وسیلے سے مناجات کی صورت میں قوم کو ذلت و رسوائی

سے نجات دلانے کی دعا مانگیں سب کے سب جذبات و تاثیر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ ان کی ایک مناجات تو ایسی ہے جو ہر قومی المیے کے وقت بے ساختہ ہماری زبان پر آجاتی ہے۔ اِس مناجات کے بعض اشعار آپ کو یاد ہوں گے۔ صرف مطلع دیکھئے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

پوری مناجات حالی کے خلوصِ جذبات کا مرقع ہے اور درد مند دل رکھنے والے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

مولانا حالی کے اس سادہ و پرکار لب ولہجہ نے اپنے معاصرین اور بعد کے شعرا پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ سرسید کی ملی تحریک اور پاک و ہند میں مسلمانوں کی بعض دوسری تحریکات نے بھی بعض مذہبی موضوعات خصوصاً نعت گوئی کی جانب ہمارے شعراء کی توجہ مبذول کرائی ہے چنانچہ بیسویں صدی عیسوی کے اکثر شعراء نے نعتیں کہی ہیں اور روایتی نعت گوئی سے ہٹ کر بالکل نئے انداز سے کہی ہیں۔ بعض نے نعت کے موضوع کو قوم و ملک کی سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے اسے ایک نیا روپ دینے کی کوشش کی ہے بعض نے مسدس اور مثنوی کو نظر انداز کر کے نظم کی جدید ہیئتوں کو نعت کے موضوع کا متحمل بنانا چاہا ہے۔ بعض نے مختصر نعت کہنے کے بجائے آنحضرتؐ کی پوری زندگی اور ان کی سیرت کے سارے پہلوؤں کو طویل نظم کی صورت میں سمیٹ لیا ہے۔ بعض نے پوری تاریخِ اسلام کو کئی کئی جلدوں میں نظم کر دیا ہے اور بعض نے درود و مناجات و سلام کی صورت میں نہایت مؤثر اور پاکیزہ نعتیں کہی ہیں اور تازہ صورتِ حال یہ ہے کہ نئی نسل کے شعرا معریٰ اور آزاد نظموں کی شکل میں ایک نئی معنویت کے ساتھ نعت کے موضوع کو پیش کر رہے ہیں۔

حالی کے بعد نعت کے موضوعات اور اسلامی قدروں کے مؤید شعرا میں سب سے

ممتاز اور اہم نام علامہ اقبال کا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حالی کی طرح علامہ اقبال کو بھی رسمی معنی میں نعت گو شاعر نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں رسمی انداز کی صرف ایک دو نعتیہ غزلیں ملتی ہیں۔ وہ بھی ان کے بالکل ابتدائی دور کی ہیں۔ مثلاً ان کی وہ نعت جس کا مطلع ہے ؂

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم اُٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اسی دور کی یادگار ہے لیکن نعت کے غیر رسمی معنوں میں علامہ اقبال اردو کے اہم ترین نعت نگار ہیں۔ اُنھوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنی شاعری میں سیکڑوں جگہ آنحضرتؐ کی سیرت و کمالات کا والہانہ اظہار کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرتِ محمدی اور اسوۂ رسول ہے حتیٰ کہ ان کے فلسفۂ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرارِ خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام دیکھ جایئے اس محور سے انحراف مشکل سے کہیں ملے گا۔ ان کا کلام صاف بتاتا ہے ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقاد اتمام بھی رسالت ہے۔ رسالت کی تعریف رموزِ بے خودی کے ابتدائی صفحوں میں اُنھوں نے اس طور پر کی ہے ؂

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزار ما یک است — جزو ما از جزو ما لاینفک است
از میان بحر او خیزیم ما — مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما
دینِ فطرت از نبی آموختیم — در رہِ حق مشعلے افروختیم
ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست — ایں کہ یک جانیم از احسانِ اوست
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظِ سرِّ وحدتِ ملت ازو

لیکن اس حد رسالت کی توصیف و تعریف تک نہیں ہے۔ اُنھوں نے اپنے

فلسفۂ خودی کے عناصر ترکیبی میں بنیادی عنصر عشقِ رسولؐ ہی قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جب خودی دوسرے ارتقائی منازل سے گذر کر آنحضرتؐ کی محبت سے سرشار اور فقر و استغنا سے مستحکم ہو جاتی ہے تو کائنات کی ساری قوتیں اس کے قبضے میں آجاتی ہیں ۔

از محبت چون خودی محکم شود　　قوتش فرماں دہِ عالم شود
پنجۂ او پنجۂ حق می شود　　ماہ از انگشتِ او شق می شود

اس قسم کے اشعار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبالؔ نے "خودی" کے ذریعے جو فلسفۂ حیات پیش کیا ہے وہ حقیقتہً دینِ مصطفوی ہی کی شاعرانہ تعبیر و تفسیر ہے۔ خودی کی تربیت و تکمیل کے لئے جب وہ آئینِ فطرت کی پابندی کی تلقین کرتے ہیں تو اُن کی مراد اخلاقِ محمدی اور اُسوۂ رسولؐ کی پابندی و پیروی سے ہی ہوتی ہے۔ چند اشعار دیکھئے

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　حکمتِ او لایزال است و قدیم
از یک آئینی مسلماں زندہ است　　پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است
ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات　　بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
غنچۂ از شاخسارِ مصطفےٰ　　گل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت　　بہرۂ از خُلقِ او باید گرفت
فطرتِ مسلم سراپا شفقت است　　در جہاں دست و زبانش رحمت است

اقبالؔ کے کلام میں رسالت یا نعت کا موضوع کس حد تک دخیل ہے۔ ان اشعار کی روشنی میں اس کا جواب کچھ مشکل نہیں رہ جاتا۔ اس دخل کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کی شاعری رسمی انداز کی نعتیہ شاعری نہیں رہی بلکہ ذات و صفاتِ محمدی کے بیان کے ساتھ ساتھ دینِ مصطفوی کے اساسی پہلوؤں کی بھی مظہر بن گئی ہے ان پہلوؤں کی تشریح

توضیح میں اکثر جگہ آنحضرتؐ کے اخلاق و سیرت کا ذکر آیا ہے اور اقبال کی طبع عاشقانہ اور مزاج شاعرانہ نے ہر جگہ اس ذکر میں خاص قسم کا لطف و کیف سمو دیا ہے چنانچہ اِس ذکر میں اقبال کے یہاں بہت سے اشعار بہت سے ٹکڑے اور بہت سے ایسے قطعات مل جاتے ہیں جو اقبال کو ایک بلند پایہ نعت گو ثابت کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان پہلوؤں کے ذکر و اذکار میں اقبال نے اردو سے زیادہ فارسی سے کام لیا ہے یعنی ان کے نعتیہ اشعار زیادہ تر فارسی ہی میں ہیں۔ جرمن شاعر گوئٹے کی مشہور نظم "نغمۂ محمدیؐ" کا آزاد ترجمہ بھی اقبال نے فارسی میں کیا ہے۔ یہ نظم "پیامِ مشرق" میں "جوئے آب" کے نام سے شامل ہے۔ چار چار شعروں کے چار بند ہیں اور اسلامی تخیل و تصورِ حیات کے حقیقی ترجمان ہیں صرف دو بند بطور نمونہ دیکھئے ؎

در راہِ او بہار پری خانہ آفرید

نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

گل عشوہ داد و گفت یکے پیش ما بایست

خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید

ناآشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش

صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود

در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

دریائے پُر خروش ز بند و شکن گذشت

از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت

یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را

از کاخ شاہ و بادہ و کشت و چمن گذشت

بیتاب و تند تیز و جگر سوز و بیقرار
در ہر زمان بتازہ رسید از کہن گذشت

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

گوئٹے کی یہ نظم جس میں اس نے اسلامی تخیل کو نہایت خوبصورت پیرائے میں جگہ دی ہے دراصل اس کے ایک مجوزہ اسلامی ڈرامے کا جزو تھی لیکن اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اقبالؔ نے المانی شاعر کے نازک و لطیف خیالات کو حد درجہ شگفتہ و سادہ فارسی میں منتقل کر کے غیر معمولی کمالِ شاعرانہ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ "رموزِ بے خودی" کے آخر میں بھی ایک نہایت خوبصورت نعتیہ ٹکڑا ملتا ہے۔

اے ظہور تو شباب زندگی — جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسہ بامت بلند
شش جہت روشن ز تاب روئے تو — ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو
از تو بالا پایۂ ایں کائنات — فقر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی — بندگاں را خواجگی آموختی
بے تو از نابود مندیہا خجل — پیکرانِ ایں سرائے آب و گل
تا دم تو آتشے از گل کشود — تودہ ہائے خاک را آدم نمود
ذرہ دامن گیر مہر و ماہ شد — یعنی از نیروئے خویش آگاہ شد
تا مرا افتاد بر رویت نظر — از اب و ام گشتہ محبوب تر

ان اشعار کے بعد اقبالؔ نے اپنے اضطرابِ عشق اور ملتِ اسلامیہ کی بدحالی کا ذکر بڑے دردمند لہجے میں کیا ہے۔ آخری شعروں میں بطور مناجات حضور اکرمؐ سے امتِ محمدی پر نگاہِ خاص کرنے کی دعا مانگی ہے۔

جاوید نامہ میں جابجا بڑے دلکش اور معنی خیز نعتیہ اشعار نظر آتے ہیں۔ اسی سلسلے میں فلکِ مشتری پر حلاج و غالب اور قرۃ العین طاہرہ و زندہ رود کے مکالمات کی صورت میں اقبال نے جو کچھ کہا ہے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ زندہ رود نے نظامِ حیات کی کشمکش کے بارے میں سوال کیا تھا ؎

صد جہاں پیدا دریں نیلی فضاست ہر جہاں را اولیا و انبیاست

اقبال نے غالب کی زبان میں جواب دیا ؎

نیک بنگر اندریں بود و نبود
پے بہ پے آید جہانہا در وجود
ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمت اللعالمینے ہم بود

زندہ رود نے اس نکتے کو فاش تر الفاظ میں بیان کرنے کی گذارش کی تو جواب میں غالب نے کہا ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمت اللعالمینی انتہا است

زندہ رود نے اسی قسم کا سوال حلاج سے کیا۔ اقبال نے حلاج کی طرف سے جواب میں کہا ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفٰے او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفٰے است

زندہ رود نے مزید وضاحت کے لئے سوال کیا ؎

از تو پرسم گرچہ پرسیدن خطاست
سرّ آں جوہر کہ نامش مصطفیٰؐ است
آدمے یا جوہرے اندر وجود
آنکہ آید گاہے گاہے در وجود؟

اس کے جواب میں علامہ اقبال نے حلاج کی زبان سے جو کچھ کہلوایا ہے، توحید و رسالت کے ایک نہایت نازک اور اہم پہلو کو زیرِ بحث لے آتا ہے۔ اس میں اقبال نے عبدہٗ معبود کے رشتے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا بیان جس حسن کاری کے ساتھ کیا ہے وہ نعتیہ شاعری کی تاریخ میں آپ اپنی مثال بن گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معبود سے کیا اور کس نوعیت کا رشتہ ہے اس سلسلے کے چند اشعار دیکھتے چلئے ؎

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہمِ تو بالاتر است
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہرِ او نے عرب نے اعجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبدہٗ صورت گرِ تقدیر ہا
اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبدہٗ ہم جانفزا ہم جانستاں
عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، او منتظر

عبدۂ دہر است و دہر از عبدۂ ست
ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست
عبدۂ با ابتدا بے انتہاست
عبدۂ از صبح و شام ما کجاست
کس ز سر عبدۂ آگاہ نیست
عبدۂ جز سر الا اللہ نیست
لا الٰہ تیغ و دم او عبدۂ
فاش تر خواہی بگو، ہُو عبدۂ
عبدۂ چند و چگون کائنات
عبدۂ رازِ درونِ کائنات،

"ارمغانِ حجاز" کے بعض قطعات بھی اقبال کی نعتیہ شاعری کے بہترین اجزا میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ ایک قطعہ تو انھوں نے آنحضرتؐ سے محبت اور خوف کے باب میں کچھ اس انداز سے کہہ دیا ہے کہ ہر صاحب دل مسلمان کو اندر سے پگھلا کے رکھ دیتا ہے۔ آپ نے یہ قطعہ ضرور سُنا ہو گا ؎

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا، حضورِ خواجہ ما را
حساب من ز چشمِ او نہاں گیر

اقبال کی اردو شاعری کی بھی یہی صورت ہے یعنی اساسی طور پر ان کا سارا کلام توحید و رسالت کے پاکیزہ تصورات و حکیمانہ نکات کا مظہر ہے لیکن رسمی انداز کی نعتیہ نظمیں یا غزلیں ان کے یہاں نہیں ملتیں۔ ہاں مختلف فارسی نظموں میں درجنوں

ایسے اشعار اور ٹکڑے مل جاتے ہیں جو اعلیٰ درجے کی نعتیہ شاعری کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً "سنائی" کے مزار کے سلسلے کی نظم میں بعض ایسے اشعار ہیں جو حضور اکرم م کی ذاتِ اقدس کی محبت و عقیدت میں ڈوبے ہوئے ہیں ؎

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہِ جذب و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

بعض جگہ غزلوں میں بھی نعت کے بلند پایہ شعر مل جاتے ہیں۔ مثلاً بالِ جبریل کی ایک غزل میں ہے ؎

خبر ملی ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور کئی مقامات ایسے ہیں جہاں اقبال نے حضور اکرم کو مخاطب کر کے اپنی بات کہی ہے اور اس انداز سے کہ نعت کے سوا ان کے اشعار کو اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا اس مخاطبے کی ایک مثال دیکھئے ؎

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

بیسویں صدی کے اردو شعرا میں نعت گو کی حیثیت سے مولانا ظفر علی خاں کا نام حالی اور اقبال کے بعد سب سے زیادہ اہم ہے۔ مولانا ظفر علی خاں سچے قسم کے سنی مسلمان حکومتِ برطانیہ کے کٹر باغی ایک تند مزاج سیاسی رہنما۔ ایک شعلہ بیان مقرر، ایک انقلاب پسند ادیب ایک ہمہ گیر شاعر اور ایک سخت گیر و آزاد خیال صحافی تھے ان کی تقریر ہو یا تحریر، نثر ہو یا نظم مذہبی جوش و خروش سے خالی نہ ہوتی تھی۔ بعض ناقدین اس جوش و خروش کے سبب ان کی شاعری اور نثر کو کچھ زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو یہی چیز ان کی تحریروں کو زندہ رکھنے والی ہے۔ شاعری میں انھوں نے زندگی کے بے شمار موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان موضوعات میں سے بیشتر کا تعلق چونکہ وقتی سیاسی ہنگاموں سے ہے اس لئے ممکن ہے کہ ان کی شاعری کا یہ حصہ فنی و ادبی لحاظ سے زیادہ بلند پایہ نہ ہو لیکن مذہبی موضوعات پر انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہبی جوش و خروش کا اظہار جس دلآویزی کے ساتھ شاعری میں ہوا ہے کسی اور صورت میں نہیں ہوا غیر مذہبی موضوعات میں ان کی ملی و مذہبی جوش نے ایک طرح کی بے اعتدالی اور جذباتی ناہمواری پیدا کر دی ہے لیکن مذہبی موضوعات خصوصاً نعتیہ شاعری میں یہ چیز

ان کے کلام کا حسن بن گئی ہے۔ چنانچہ دوسری قسم کی شاعری میں یہ تو ممکن ہے کہ مولانا کی شہرت وعظمت کسی وقت ناقدری کا شکار ہو جائے لیکن ان کی نعتیہ شاعری کا ایک جزو ایسا ہے جو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ان کے نام کو زندہ رکھے گا۔

مولانا ظفر علی خاں کے مجموعہ ہائے کلام میں متعدد نعتیہ نظمیں ملتی ہیں۔ یہ نظمیں مختلف اصنافِ سخن پر محیط ہیں اور ان کا کینوس خاصا وسیع ہے۔ آنحضرتؐ کی سیرت، سوانح، واقعۂ معراج، معجزات اور شمائل واوصاف سب کو انھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں وہ اکثر جگہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کی سب سے مشہور نعت وہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

اس نعت کے علاوہ مندرجہ ذیل مطلع کی نعتیہ غزل بھی بہت مقبول ہوئی ہے اور بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سُنی جاتی ہے ؎

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دُنیا تمھیں تو ہو

صوفی شعرا میں شاہ نیاز احمد بریلوی اور بیدم وارثی کی نعتیہ اور عشقیہ شاعری بھی قابلِ ذکر ہے۔ شاہ نیاز احمد بریلوی متوفی سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء اپنے وقت کے مشہور خدارسیدہ بزرگ تھے ان کا سلسلہ آج بھی قائم ہے اور اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنے نام کے ساتھ نیازی لکھتے ہیں۔

شاہ نیاز بریلوی کا کلام "دیوانِ نیاز" کے نام سے پہلے بھی کئی بار چھپ چکا ہے ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۸۹ھ میں اس کا ایک اڈیشن "تنظیم خدام سلسلۂ نیازیہ کراچی" کی جانب سے بھی شائع ہو چکا ہے اس میں فارسی واردو کلام کے ساتھ ان کا ہندی کلام بھی

شامل ہے۔ شاہ نیاز کا سارا کلام عشقِ حقیقی میں ڈوبا ہوا ہے اور غزل کی صورت میں بے چند اشعار اور غزلوں کو چھوڑ کر ان کے سارے کلام کو نعتیہ قرار دینا بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن چونکہ صوفیائے کرام نے عشقِ حقیقی کے بیان میں زیادہ تر مجازی علامتوں ہی سے کام لیا ہے اور آنحضرتؐ کی محبوبیت کو بالعموم مجاز کے پیرائے میں نظم کیا ہے اس لئے ان کے عاشقانہ کلام کو چاروناچار حمد و نعت ہی سے تعبیر کرنا پڑتا ہے۔ ان کی ایک فارسی غزل بطور نمونہ ہم نے انتخاب کے حصے میں دے دی ہے

بیدم وارثی نعت گوئی کے سلسلے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں وہ اُردو کے ان نعت گو شعراء میں سے ہیں جن کا نام شعر و ادب کے حلقۂ خاص سے نکل کر مجمعِ عام تک پہنچ گیا ہے۔ ان کی نعتیں اور عاشقانہ غزلیں قوالی کی محفلوں سے لے کر عام جلسوں تک میں پڑھی اور شوق سے سُنی جاتی ہیں۔ آج سے نہیں برسوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ قبولِ عام کے لحاظ سے وہ اردو کے دوسرے نظیر اکبر آبادی ہیں، نظیر اکبر آبادی انسان کی خارجی زندگی اور اس کے ماحول کی ترجمانی کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ بیدم وارثی کو انسان کی داخلی زندگی کی عکاسی اور اس کے عشقیہ جذبات کی ترجمانی میں کمال حاصل ہے۔ نظیر کے یہاں جگ بیتی کا لطف ہے، بیدم وارثی نے جو کچھ کہا ہے آپ بیتی بنا کر کہا ہے اور آپ بیتی و جگ بیتی میں اثر پذیری کے لحاظ سے جو فرق ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔

کلامِ بیدم وارثی کی نمایاں ترین خصوصیت اس کا سوز و گداز ہے۔ ان کی شاعری کیا ہے ایک دیوانۂ محبت کے دل کی آواز ہے۔ ایسی آواز جو سُننے والوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

بیدم وارثی کا مجموعۂ کلام "مصحفِ بیدم" مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں نعتیں۔ سلام اور رندانہ عاشقانہ غزلیں بھی شامل ہیں اور شاعرانہ محاسن کے لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بیدم وارثی کی

نعتیہ اور عاشقانہ شاعری کو بلحاظ مقبولیت اہلِ دل کے حلقوں میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو ان کے ممدوح حضرت وارث علی شاہ کو اپنے عہد کے فقرا میں حاصل تھا۔

علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی کا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے وہ مولانا حالیؔ، مولانا شبلیؔ، امیر مینائی اور اکبر الہ آبادی وغیرہ کے ہمعصروں میں تھے۔ ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرتؐ کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دلسوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پر پڑھے اور سُنے جاتے ہیں۔ ان کا سلام ؎

مصطفٰےؐ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

بہت مقبول ہوا ہے۔ ایک نعت بھی جس کا مطلع ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

خاصی شہرت رکھتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا دیوان "حدائقِ بخشش" شائع ہو چکا ہے۔ اس کا ایک اڈیشن دو تین سال پہلے "مدینہ پبلشنگ کمپنی" کراچی سے بھی نکلا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حسن رضا خاں حسنؔ بھی صاحب دیوان شاعر تھے۔ "ذوقِ نعت" کے نام سے ان کا مجموعہ کلام ۱۳۲۶ھ میں دین محمدی پریس لاہور سے چھپا تھا اور یہی میرے سامنے ہے۔ حسن رضا خاں کا رنگِ سخن تقریباً

وہی ہے جو ان کے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں کا ہے۔ زمینیں بھی زیادہ تر وہی جو رضا کے دیوان میں نظر آتی ہیں۔ دونوں بھائیوں کی نعتوں میں جو چیز خاص طور پر متاثر کرتی ہے وہ سادگی و صفائی بیان کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات عشقیہ کی وہ شدت ہے جو آنحضرت ؐ سے ان کے والہانہ لگاؤ کا ثبوت ہر قدم پر مہیا کرتی ہے۔

اردو نعت گوئی میں دکن کے ایک شاعر غلام مصطفیٰ عشقی نے بھی خاصی شہرت حاصل کی ہے۔ عشقی کے والد کا نام محمد حسین تھا۔ محمد آباد بیدر کے رہنے والے تھے اور صرف حمد و نعت میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ اور عشق الٰہی و حُبِ رسول میں مست رہتے تھے۔ فارسی عربی اور اُردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شاعری کی حیثیت سے وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے لیکن نعت خواں حلقوں میں ان کا کلام بہت مقبول رہا ہے۔ ان کے عربی سلام کے یہ اشعار آج بھی میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھے جاتے ہیں ؎

یا شفیع الوریٰ سلام علیک   یا نبی الہدیٰ سلام علیک
خاتم الانبیا سلام علیک   سید الاصفیا سلام علیک

عشقی نے حمد و نعت میں کئی چیزیں یادگار چھوڑی ہیں "محامد محمدی الموصوف بہ توصیفات مصطفوی" جو اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کے دیباچے میں خود عشقی نے لکھا ہے کہ طبعزاد اشعار کا ایک گلدستہ موسوم بہ گلدستۂ مصطفوی معروف بہ اشعار عشقی شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ فارسی کے دو دیوان ایک عشقیہ موسوم بہ اسرار الٰہی دوسرا دیوان نعتیہ موصوف بہ انوار مصطفوی اور اُردو میں پانچ دیوان دو عشقیہ موسوم بہ الہامات غیبی' دوسرا موسوم بہ خیالات قدسی اور دو دیوان نعتیہ پہلا موسوم بہ محامد محمدی الموصوف بہ توصیفات مصطفوی دوسرا موسوم بہ حمائد احمدی المعروف بہ تعریفات مصطفوی۔ پانچواں دیوان اُردو کا موسوم بہ خزینۂ اُخروی ہے اور یہ آخری دیوان ہے اور ہر ایک

قصیدے کے اشعار سوا سو سے اور ہر ایک غزل کے اشعار گیارہ سے کم نہیں ہیں۔"

ان کا اُردو نعتیہ دیوان "محامد محمد الموصوف بہ توصیفاتِ مصطفوی" مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن ۱۳۲۲ھ ظاہر کرتا ہے کہ عشقی ایک قادر الکلام نعت گو شاعر تھے اور جو کچھ کہتے تھے جذبات میں ڈوب کر کہتے تھے ان کی زبان سادہ اور بیان شگفتہ ہے لیکن پُرگوئی نے خیالات و الفاظ دونوں میں ایسی تکرار پیدا کر دی ہے کہ جدت و ندرت کہیں کہیں ملتی ہے۔

سید احمد علی وحید کا بھی ایک قابلِ ذکر نعتیہ دیوان میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ وحید کا وطن قصبہ ہسوہ ضلع فتح پور تھا۔ اسی نسبت سے وہ خود کو ہسوی لکھتے تھے۔ ان کی دو عشقیہ مثنویاں "نارِ سوزاں" اور "نشترِ غم" بھی شائع ہو چکی ہیں اور محاسن شعری کے لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہیں۔ دو اُردو دیوان ایک نعتیہ اور ایک عشقیہ بھی ان کی یادگار ہیں۔ یہ ساری چیزیں الگ الگ ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں مطبع اکلیل بہرائچ (یوپی) سے چھپ چکی ہیں اور راقم الحروف کے پاس موجود ہیں وحید ہسوی کا انتقال ۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۶ھ میں ہوا ہے۔

ان کا نعتیہ دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن زبان کی صفائی اور خیال کی پاکیزگی کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہے اس میں قصیدے غزلیں اور مسدس شامل ہیں ایک مسدس غنیمت کی مندرجہ ذیل غزل سے

جبینم سجدہ مشتاقِ جنابے
کز و ہر ذرہ گردد آفتابے

کی تضمین میں کہا ہے اور خوب کہا ہے۔ پہلے بند میں فارسی ہی کے مصرعے لگائے ہیں، باقی مصرعے اُردو میں ہیں۔ غنیمت کا فارسی شعر ہر بند کے آخر میں آیا۔ بطور مثال پہلا بند دیکھئے:

ز سوزِ عشق دارم طرفہ تابے
دلم شد زاتشِ ہجراں کبابے
بعزم کعبہ ام بے خورد خوابے
غنیمت دار می خواہم ثوابے

جبینم سجدہ مشتاق جنابے
کزو ہر ذرہ گردد آفتابے

نعتیہ مسدس ایک اور بھی ہے قصیدے دو ہیں دونوں غالبؔ کی زمینوں میں ہیں نعتیہ غزلیں ایک سو کے لگ بھگ ہیں۔ زبان و بیان اور اصلاحی خیالات کے لحاظ سے یہ ساری چیزیں مولانا حالیؔ کے رنگ میں ہیں یعنی مبالغہ اور شکوہ الفاظ کو کلام کی جان نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ سیدھے سادے لفظوں اور پُراثر انداز میں محامدِ رسولؐ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار صرف مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلم شعراء نے بھی کیا ہے۔ یہ سلسلۂ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اور آج بھی کسی نہ کسی طور پر جاری ہے۔ چنانچہ پنڈت ہری چند اخترؔ، تلوک چند محرومؔ، عرش ملسیانی، مہاراجہ کشن پرشاد۔ امر چند قیسؔ، منورؔ لکھنوی اور جگن ناتھ آزادؔ وغیرہ کے یہاں بعض بہت اچھی نعتیں مل جاتی ہیں لیکن غیر مسلم شعراء میں نعت گو کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام دلورام کوثری کا ہے۔

اب سے بہت پہلے منشی محمد الدین فوقؔ مرحوم نے بعض ہندو شعرا کا نعتیہ کلام "اذانِ بتکدہ" کے نام سے شائع کیا تھا۔ چند سال ہوئے محمد محفوظ الرحمٰن نے ہندو شعرا اور دربارِ رسول" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔ یہ کتاب انجمن تبلیغ الاسلام نگرام ضلع لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اُردو کراچی کے کتب خانۂ خاص میں موجود ہے اور میری نظر سے گذرا ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعرا سے متعلق ایک اور

کتاب بہ عنوان "ہندو شعرا کا نعتیہ کلام" عارف پبلشنگ ہاؤس لائلپور سے چھپی ہے۔ اسے خانی مرادآبادی نے مرتب کیا ہے۔ مشفق خواجہ صاحب سے لے کر میں نے اس پر بھی نظر ڈالی ہے۔ دونوں کتابوں میں نئے پرانے درجنوں غیر مسلم نعت گو شعرا کے نام آئے ہیں اور ان کے مختصر حالات زندگی کے ساتھ منتخب اشعار بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان شعرا کی طرح غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا بھی بیشتر حصہ یکسر رسمی ہے۔ صرف دلورام کوثری ایک ایسے شاعر ہیں جنہیں حقیقی معنوں میں نعت گو کہہ سکتے ہیں۔

پنڈت ہری دِتو رام کوثری ضلع حصار کے رہنے والے تھے۔ فارسی اور اُردو کے ساتھ اچھی انگریزی بھی جانتے تھے۔ نعت گوئی کو انھوں نے اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا تھا اور اسی میں کھوئے رہتے تھے ؎

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمدؐ

کوثری نعت گوئی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے اور خود کو فخریہ اُردو کا حسان بن ثابت کہا کرتے تھے ؎

لکھیں عمر بھر کوثری ہم نے نعتیں
نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا
ہے حسّانؓ پہلا تو میں دوسرا ہوں
نہیں فرق اوّل و ثانی میں رکھا
نبی کے ہوئے نعت گو دو برابر
کہ دونوں کو یک مدح خوانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی
مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا

چودھری دِلّو رام کوثری نے نعت گوئی میں زبان و بیان کی بڑی ہنرمندیاں دکھائی ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک غیر منقوطہ نعتیہ دیوان بھی مرتب کیا تھا اس کے لئے کوثری کا تخلص مناسب نہ تھا اس لئے کہ اس میں حروفِ منقوطہ بھی شامل ہیں۔ نتیجۃً اُنھوں نے کوثری کے بجائے اپنے اصل نام "دِلّو رام" کو بطور تخلص استعمال کیا۔ کوثری کے نعتیہ کلام کی سب سے بڑی خصوصیت زبان کی سادگی اور جذبات کی پاکیزگی ہے۔ ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولان گاہ تھی اسی لئے ہر جگہ ان کی سادگی ایک طرح کی پُرکاری لئے رہتی ہے۔

مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی (۱۸۵۲ء تا ۱۹۲۶ء) شاعر کی حیثیت سے زیادہ شہرت نہیں رکھتے۔ لیکن ان کی نعتیہ شاعری قابلِ ذکر ہے۔ اسیر کا اصل وطن بریلی تھا۔ اقامت و سکونت بدایوں میں اختیار کرلی تھی۔ اسی لئے اپنے نام کے ساتھ بدایونی لکھتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں حجِ بیت اللہ کو گئے اور وہیں ابدی نیند سوگئے۔ محمد ایوب قادری کا ایک تفصیلی مضمون ان کے حالات میں مارچ ۱۹۵۶ء کے "العلم" میں شائع ہو چکا ہے۔ اسیر بدایونی سے متعدد مذہبی و تاریخی کتابیں یادگار ہیں۔ عاشقانِ رسولؐ میں تھے اور بہت اچھی نعتیں کہتے تھے۔ ان کی ایک نعتیہ مثنوی بہ ذکر ولادتِ رسول بہت مقبول ہوئی ہے۔ چند اشعار اس مثنوی کے دیکھئے کیسے سادہ و دلکش ہیں :-

آمنہ کے گھر آئے وہ پیارے — خادم جن کے ملائک سارے

چاند وہ نکلا آج زمیں پر — نور ہے جس کا عرش بریں پر

شافعِ محشر رحمتِ عالم — فخرِ ملائک نازشِ آدم

طُور کا شعلہ عرش کا جلوہ — حُسنِ مدینہ غازۂ کعبہ

گُل کا تبسم، خندۂ غنچہ — مردمِ دیدۂ چشمِ تماشا

رنگِ گلستاں شمعِ شبستاں — بلبلِ بطحیٰ طوطیٔ کنعاں
مہرِ نبوت ماہِ رسالت — شانِ الٰہی آیۂ رحمت
آج عرب کی قسمت جاگی — کفر کی ظلمت کوسوں بھاگی
آئے جہاں میں فخرِ دو عالم — فرشِ زمیں ہے عرشِ اعظم
عرش جھکا سب تارے ٹوٹے — ساتوں فلک کے چھکے چھوٹے
رضواں طشتِ زمرد لایا — نور کے پانی سے نہلایا
حوریں کرتا ٹوپی لائیں — شوق میں یوں مستانہ گائیں

اسیر بدایونی کے یہ اشعار میں نے "شعرائے حجاز" مرتبہ امداد صابری مطبوعہ مکتبہ شاہراہ دہلی ۱۹۶۹ء سے لئے ہیں "شعرائے حجاز" میں اُردو کے ان شعراء کا ذکر کیا گیا ہے جو حجاز میں مقیم ہیں یا جن کا حجاز میں انتقال ہوا ہے۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ نعت گو شعرا کا تذکرہ ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ اُردو کے عام شعرا کا تذکرہ ہے اور اس میں بھی زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو حقیقی معنوں میں شاعر نہ تھے بلکہ حجاز کے قیام میں دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی شعر و شاعری بھی کر لیا کرتے تھے لیکن بعض ایسے شعرا کا ذکر بھی اس میں مل جاتا ہے جو نعت گو کی حیثیت سے قابلِ توجہ ہیں۔

اکبر وارثی میرٹھی کا نام ان کی تالیف "میلادِ اکبر" کی وجہ سے محتاجِ تعارف نہیں رہا، لوگ عام طور پر ان کے نام سے واقف ہیں۔ بات یہ ہے کہ مولودِ شہیدی کے بعد میلاد شریف کی کتابوں میں جو قبولِ عام "میلادِ اکبر" کو نصیب ہوا وہ کسی دوسری کتاب کو نہ ملا۔ "میلادِ اکبر" کی تقلید میں کئی کتابیں لکھی گئیں لیکن "مولوی مدن" والی بات کسی میں پیدا نہ ہو سکی۔

"میلادِ اکبر" کی مقبولیت کا خاص سبب یہ ہے کہ اکبر میرٹھی نے اپنی کتاب میلاد شریف کی عام محفلوں کے لئے لکھی ہے اور یہ سمجھ کر لکھی ہے کہ ان کے مخاطب خواص سے

زیادہ عوام ہیں۔ اسی لئے اُنھوں نے نثر و نظم دونوں میں سلاست و روانی کا حد درجہ لحاظ رکھا ہے۔ لیکن چونکہ ان کی طبیعت کو نعت کے موضوع سے خاص مناسبت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان پر بھی خاصی قدرت ہے اِس لئے ان کی سادگی بھی ایک طرح کی پُرکاری لئے ہوئے ہے۔ یہی پُرکاری جو کبھی نتیجہ ہوتی ہے حسنِ بیاں کا اور کبھی حسنِ خیال کا، دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ غرض کہ اکبر وارثی میرٹھی بعض دوسرے میلاد نگاروں کی طرح محض موزوں طبع نہیں ہیں بلکہ اُردو کے ایک خوش فکر اور خوش مذاق شاعر ہیں۔ ان کی خوش فکری اور خوش ذوقی کی اصل جولان گاہ نعت کا موضوع ہے۔ اس موضوع سے انھیں گہرا لگاؤ ہے۔ ایسا لگاؤ جو انھیں شعر گوئی پر مجبور بھی کرتا ہے اور ان کے کلام میں حسن و تاثیر کے رنگ بھی بھر دیتا ہے۔

اکبر وارثی میرٹھی صاحب دیوان شاعر ہیں اور نعت میں اُنھوں نے بہت کچھ کہا ہے لیکن افسوس کہ ان کا مجموعۂ کلام مجھے دیکھنے کو نہ مل سکا۔ "میلاد اکبر" میں البتہ جا بجا ان کی نعتیہ غزلیں، نظمیں اور قصائد درج ہیں ان کی مدد سے کہا جا سکتا ہے کہ اکبر وارثی رسمی معنوں میں نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں نعت گو شاعر ہیں ان کی شاعری کی بنیاد تصنع و تکلف پر نہیں بلکہ جذبے کی سچائی اور احساس کی پاکیزگی پر ہے۔ مثال کے طور پر ان کی نعتیہ غزلوں کے چند اشعار دیکھئے کیسے خوبصورت اور پاکیزہ ہیں:-

جو خیال آیا تو خواب میں وہ جمال اپنا دکھا گئے
وہ مہک لہک تھی لباس میں کہ مکان سارا بسا گئے
کہیں حسن بن کے قبول میں کہیں رنگ بن کے وہ پھول میں
کہیں نور بن کے رسول میں وہ کمال اپنا دکھا گئے

ثانی ترا کونین کی کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے

ہو کیوں نہ خدائی کو گدائی کی تمنا
کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے

تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمدؐ
کیا نام ہے اے صل علیٰ نام محمدؐ
اللہ کرے اس پہ حرام آتش دوزخ
جس شخص کے ہو دل پہ لکھا نام محمدؐ

اس قسم کی نعتیہ غزلوں کے علاوہ اکبر وارثی کی وہ نظمیں بھی قابلِ توجہ ہیں جن کا تعلق آنحضرتؐ کی زندگی کے بعض اجزا اور واقعات سے ہے ان نظموں میں بھی انھوں نے اپنے رنگِ تغزل کو برقرار رکھا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جو کچھ کہا ہے غزل ہی کے پیرائے میں کہا ہے ان کی اس قسم کی نظموں میں ایک کامیاب نظم وہ ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

آمدِ مصطفےٰ سے ہے پھولا پھلا چمن چمن
آئی بہار ہر طرف کِھلنے لگا چمن چمن

یہ نظم آنحضرتؐ کی پیدائش کے موقع کے لئے بطور تہنیت کہی گئی ہے اور جذبات مسرت میں اس طرح ڈوبی ہوئی ہے کہ ساری کائنات کی سرخوشی کا مرقع بن گئی ہے۔
دوسری قابلِ ذکر نظم وہ ہے جس میں انھوں نے آسمان اور زمین کا مکالمہ نظم کیا ہے۔
تیسری قابلِ مطالعہ نظم وہ ہے جس کا تعلق واقعۂ معراج سے ہے۔ یہ نظم قصیدے کے روپ میں ہے اور خاصی طویل ہے۔ اس میں شاعر نے معراج کی رات کا حال بڑے والہانہ انداز سے نظم کیا ہے۔ دوسرا ان کا سلام ہے اور جس کا آغاز اس طور پر ہوتا ہے ؎

یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوات اللہ علیک

فخرِ آدم فخرِ حوّا　　فخرِ نوح و فخرِ یحییٰ
فخرِ ابراہیم و موسیٰ　　فخرِ اسمٰعیل و عیسیٰ

یہ اُردو کا مقبول ترین سلام ہے۔ اس سے زیادہ نہ کوئی سلام آج تک پڑھا گیا نہ سُنا گیا۔ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی مسلمان ہو جس کے کان اس سے آشنا نہ ہوں۔ درُود و سلام کے عنوان سے اُردو میں درجنوں نظمیں لکھی گئی ہیں۔ خود اکبر وارثی کے سلام کی تقلید میں سیکڑوں سلام منظرِ عام پر آئے ہیں لیکن سادگی و صفائی اثر و تاثیر اور قبولِ عام کے لحاظ سے کوئی بھی اکبر کے کلام کو نہیں پہنچا۔

اقبال سہیل اعظم گڑھی نے بھی اردو فارسی دونوں میں بہت اچھی نعتیں کہی ہیں۔ نعت گوئی سے اُنھیں شروع سے دلچسپی تھی اور بہت کم عمری میں اُنھوں نے کہا تھا کہ

عندلیبِ گلشنِ فردوس ہستم حامدا
مدح خوانِ نبی کار است و طوبیٰ جائے من

اس شعر میں اُنھوں نے اپنا تخلص سہیل کے بجائے حامدؔ استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ ان کا بچپن کا نام ابو منظفر حامد تھا۔ اس سے بھی پہلے کا واقعہ ہے کہ ان کے والد کسی بات سے متفکر تھے اور اپنے کمرے میں افسردہ بیٹھے تھے۔ برجستہ ان کی زبان پر یہ مصرعہ آیا ؏

ترحّم علیٰ حالیا یا الٰہی

اقبال سہیل پاس بیٹھے تھے۔ مصرع سُن کر فوراً دوسرا مصرع لگایا [1]

طفیلِ جنابِ رسالت پناہی

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سہیل کو نعت اور نعت کے موضوع سے طبعی دلچسپی

---

[1] ذکرِ سہیل "از افتخار اعظمی مطبوعہ اُردو ادب (علی گڑھ) صفحہ ۵۳ تا صفحہ ۱۳۴ بابت ستمبر ۱۹۵۶ء

تھی اور اسی لئے وہ جو کچھ کہتے تھے اس میں آورد سے زیادہ آمد کا رنگ غالب رہتا تھا۔ ان کے بعض نعتیہ قصائد ایسے ہیں جو خیال آفرینی اور بیان کی شیرینی کے لحاظ سے فارسی قصیدہ نگاروں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ ان قصائد میں اگرچہ بہاریہ اور عاشقانہ تشبیبیں شامل ہیں لیکن ایسی شائستگی اور تہذیبی متانت کے ساتھ کہ نعت کے باب میں کہیں بھی سوئے ادب کا سوال پیدا نہیں ہونے پایا۔ ایک نعتیہ قصیدے کے چند ابتدائی اشعار دیکھئے کیسے خوبصورت اور پاکیزہ ہیں ؎

سرشتِ حسن تغافل، مزاجِ عشق غیور
وہ التفات سے ہم التجا سے ہیں معذور

کسی کے فیضِ تصور سے ہو گیا بے خود
مرا خرابۂ دل گنجِ حسن سے معمور

عجیب چیز ہے سوزِ غمِ محبت بھی
ہر آبلے میں ہے تاثیرِ مرہمِ کافور

شرابِ حسن کا نشہ ہے بے قراریِ عشق
نہالِ عشق کا ثمرہ ہے زخم کا انگور

وہ زخم جس سے شگفتہ بہارِ کون و مکاں
وہ سوز جس سے چراغاں سوادِ عالمِ نور

ان نعتیہ قصیدوں میں اقبال سہیل نے آنحضرتؐ کی سیرت و صورت اور واقعات حالات کو بعض جگہ بڑی تفصیل سے جگہ دی ہے لیکن یہ تفصیل روکھی پھیکی یا بے جان نہیں ہے۔ انھوں نے منظر کشی اور واقعہ نگاری میں ایسے کمالاتِ شاعرانہ کا مظاہرہ کیا ہے کہ مناظرِ فطرت اور واقعاتِ اصلی کا رنگ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک قصیدے کے چند منظریہ اشعار دیکھئے ؎

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعیِ امکانی
رفو ہوتا نہیں ہے صبح کا چاکِ گریبانی
وہی سمجھیں گے جو واقف ہیں اسرارِ محبت سے
کہ یکساں جاں گسل ہے ذوقِ وصل و دردِ ہجرانی
ادھر سبزے کا جاگ اُٹھنا خمارِ خواب نوشیں سے
اُدھر بادِ سحر سے زلفِ سُنبل کی پریشانی
صبا کے گنگنانے سے ادھر کلیوں کا ہنس دینا
اُدھر شبنم سے پھولوں کی عرق آلودہ پیشانی
بجا ہے صبح دم گر چشمِ نرگس ہے خمار آلود
چمن میں رات بھر کی ہے زرِ گل کی نگہبانی
رگِ گل نے بچھا رکھا ہے ہر سو دامِ نظارہ
عبث ہے گر کرے مرغِ نگہ سعیِ پر افشانی

ان اشعار میں قدرتی مناظر کی تصویر جس خوبصورتی سے کھینچی گئی ہے وہ فارسی قصائد کے سوا اردو میں بہت کم نظر آتی ہے۔ ایسی دلآویز تصویریں اقبال سہیل کے نعتیہ قصیدوں میں اکثر ملتی ہیں لیکن ان کے قصائد میں سب سے مشہور اور معرکۃ آرا قصیدہ وہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

احمد مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

عہدِ حاضر کے لکھنوی شعرا میں زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی اور بہزاد لکھنوی نے نعت گوئی میں خاص شہرت حاصل کی۔ دونوں زیارتِ حرمین سے پہلے بھی حبِ رسولؐ سے سرشار تھے۔ لیکن زیارت کے بعد تو عشقِ رسولؐ میں ان کا کچھ اور ہی عالم ہو گیا۔ حمید لکھنوی

اپنے مجموعۂ کلام "گلبانگ حرم" مطبوعہ مکتبۂ جامعہ دہلی کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "اب مجھے سوائے ذکرِ حبیب اور کوئی صنفِ شاعری محبوب نہیں۔ میں اس رنگ میں ایسا کھو گیا ہوں کہ یادِ مدینہ و رسولِ اکرمؐ کے علاوہ کوئی اور تذکرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دیارِ حبیب کا تصور، وہاں کے مناظر اور وہی لیل و نہار اور اشغال و اذکار دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو گئے ہیں کہ سوچتا ہوں تو وہیں کی باتیں اور دیکھتا ہوں تو وہیں کے مناظر، سنتا ہوں تو وہی نغمے اور خیال آتا ہے تو اسی فضائے پاک کا۔ اس لئے اک ذرا اشارہ اور ایک معمولی سی تحریک مجھ کو اسی عالم میں پہنچا دیتی ہے جو میرا منتہائے نقطۂ نظر ہے اور وہی کیفیتیں اشعار کا جامہ پہن کر میرے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی رہتی ہیں۔"

غرضکہ زیارتِ کعبۃ اللہ کے بعد غزل گوئی ترک کر کے حمید صدیقی نے اپنی ساری توجہ نعت گوئی پر صرف کی ہے تاہم ان کی نعتیں غزل کے دھیمے اور شگفتہ لہجے سے الگ نہیں ہونے پاتیں۔ آنحضرتؐ کی محبوبیت اور اس سے اپنی عقیدت کا اظہار انھوں نے ایسے انداز میں کیا ہے کہ ان کی نعتیں عاشقانہ غزلیں بن گئی ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں کہ انھوں نے مقامِ محمدی کو نہ پہچانا ہو یا اس کی حدود سے کہیں تجاوز کیا ہو۔ ایسا نہیں ہے انھوں نے جو کچھ کہا ہے رسالتؐ کے منصب کے عین مطابق کہا ہے واقعہ یہ ہے کہ نعت میں اثر آفرینی کا عنصر صرف آنحضرتؐ کے شمائل و اوصاف کے بیان سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے والہانہ محبت کا ثبوت بھی دینا پڑتا ہے۔ حمید صدیقی لکھنوی کی نعتیہ شاعری میں اس محبت کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں رسماً نہیں کہہ رہے دل کی مجبوری سے کہہ رہے ہیں۔ سوچ سمجھ کر ذہن کی مدد سے نہیں، برجستہ اور بے ساختہ کہہ رہے ہیں۔ نتیجتاً ان کے یہاں آمد ہی آمد ہے، آورد کا دُور دُور تک پتہ نہیں ہے۔ کلام میں گہرائی زیادہ نہ سہی لیکن گیرائی و شگفتگی وہی ہے جس کے ذریعے جگر مراد آبادی کی غزلیں پہچانی جاتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ حمید صدیقی کی نعتیہ

غزلیں بھی زیادہ تر جگرؔ مرادآبادی کی زمینوں میں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاجی مصطفیٰ ادؔ کے یہاں مستقل رہنے کے سبب حضرت جگرؔ مرادآبادی کی صحبت و شاعری سے انھوں نے بہت گہرا اثر قبول کیا ہے۔ چنانچہ ان کی نعت گوئی بلحاظ زبان و بیان اور سرور و مستی جگرؔ کے رنگِ تغزل سے بہت قریب ہوگئی ہے۔

حمیدؔ صدیقی کا مطبوعہ کلام مکتبہ جامعہ دہلی سے ۱۳۶۵ھ میں "گلبانگ حرم" کے نام سے دوسری بار طبع ہو کر قبول عام حاصل کر چکا ہے اور عام طور پر دستیاب ہے۔ حمیدؔ لکھنوی کا انتقال چند سال ہوئے لکھنؤ میں ہوا ہے۔

بہزاد لکھنوی کا نعتیہ رنگ، کیف و مستی کے لحاظ سے حمیدؔ لکھنوی کے رنگِ سخن سے بہت ملتا جلتا ہے جگرؔ کی غزل کا والہانہ پن اور مستانہ لب و لہجہ بہزاؔد لکھنوی کی نعتوں میں بھی صاف نظر آتا ہے۔ چھوٹی بحروں میں بہزاؔد کا اندازِ نعت گوئی کچھ اور نکھر جاتا ہے۔ ان کے پڑھنے کا بھی ایک خاص ڈھب ہے۔ نعت پڑھتے وقت وہ خود بھی کیف و سرور میں ڈوب جاتے ہیں اور دوسروں پر بھی وہی کیفیت طاری کر دیتے ہیں ان کا نعتیہ مجموعۂ کلام "نغمۂ روح" کے نام سے کراچی سے شائع ہو چکا ہے اور دستیاب ہے۔

پاکستان کے موجودہ شعراء میں حفیظؔ جالندھری، مولانا ضیاء القادری بدایونی مولانا ماہرؔ القادری۔ محشرؔ رسول نگری، عبدالعزیز خالدؔ، حافظ لدھیانوی، اعظم چشتی عبدالکریم ثمرؔ اور حفیظ تائبؔ کے نام نعت گوئی کا ذکر آتے ہی خود بخود ذہن میں اُبھر آتے ہیں۔ حفیظ جالندھری اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں سے ہیں۔ نعت کے موضوع سے متعلق ان کا سب سے اہم شعری کارنامہ "شاہنامۂ اسلام" ہے۔ شاہنامہ اسلام کے موضوع پر اُردو کے بعض دوسرے شعراء نے بھی بطور خاص توجہ دی ہے۔ چنانچہ جنگ نامہ اسلام" کے نام سے معروف و غیر معروف شاعروں کی متعدد مطبوعہ و غیر

مطبوعہ تالیفات موجود ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض شعری محاسن بھی رکھتی ہیں - میرے قدیم وطن فتح پور ہسوہ میں ایک قادرالکلام شاعر محمد ابراہیم ہندی تھے - اردو فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے اور فکروفن کے پورے لوازم کے ساتھ کہتے تھے - مرحوم نے تاریخِ اسلام کو "شاہنامۂ ہندی" کے نام سے نظم کیا تھا - میں نے ان کو پڑھتے ہوئے بھی بارہا سنا ہے اور ان کے شاہنامہ کا مسودہ بھی دیکھا ہے - کمالاتِ شعری کا بہت اچھا نمونہ ہے لیکن افسوس کہ طباعت کی نوبت نہ آئی - معلوم نہیں کہ اب اُس کا مسودہ ان کے عزیزوں کے پاس محفوظ ہے یا ضائع ہو گیا - تاریخ اسلام ہی کے موضوع پر ایک قابلِ ذکر منظوم تالیف "جنگ نامۂ اسلام" منظور حسین منظور کی ہے - یہ مطبوعہ ہے - پاکستان کے مختلف حلقوں میں یک گونہ مقبول بھی ہوئی ہے - چند سال ہوئے سید منیر علی جعفری کی تصنیف تاریخ اسلام منظوم بھی منظرِ عام پر آئی ہے - اس کی دو جلدیں میری نظر سے گذری ہیں، پہلی عہدِ رسالت سے متعلق ہے دوسری عہدِ خلافت سے - اس طرح کی اور بھی کتابیں ہوں گی جن کا مجھے علم نہیں - ان ساری کتابوں سے اُن کے مصنفین کی قدرتِ شاعرانہ کا اندازہ ہوتا ہے اور اس سے انکار نہیں کہ بعض اجزا زبان و بیان کے لحاظ سے بڑے پاکیزہ ہیں لیکن بہ حیثیتِ مجموعی فکروفن کی جو رعنائیاں حفیظؔ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام میں نظر آتی ہیں وہ دوسروں کے یہاں کم ہیں - یہی وجہ ہے کہ جو قبول عام حفیظؔ کی نظم کو نصیب ہوا وہ کسی اور کو میسر نہ آیا -

"شاہنامۂ اسلام" کی پہلی جلد ۱۹۲۹ء میں پہلی بار چھپی تھی اس میں آنحضرتؐ کی پیدائش سے قبل کی آیاتِ اسلامی سے لے کر ہجرتِ نبوی تک کے حالات ہیں دوسری جلد اول اول ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی یہ معرکۂ بدر سے لے کر معرکۂ اُحد کی تیاریوں تک کے واقعات پر مشتمل ہے - تیسری جلد معرکۂ اُحد کے واقعات سے لے کر اُس کے اثرات و نتائج کی تفصیل پر ختم ہوتی ہے - یہ جلد پہلی دفعہ غالباً ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی تھی اس کا

چوتھا ایڈیشن القرآن لمیٹڈ کشمیری بازار لاہور سے ۱۹۴۵ء میں نکلا تھا۔ شاہنامے کی چوتھی جلد شہدائے اُحد کے حالات سے لے کر جنگِ احزاب کے خاتمے تک کے واقعات پر محیط ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۴۷ء میں القرآن لمیٹڈ لاہور سے چھپی ہے۔ شاہنامے کی پہلی تین جلدوں میں سر شیخ عبد القادر کے جامع مقدمات بھی شامل ہیں۔ آخری جلد میں صرف مصنف کا دیباچہ ہے۔

ابتداً حفیظ کے شاہنامۂ اسلام پر عجیب عجیب اعتراضات اُٹھائے گئے تھے۔ کسی نے طنزاً کہا کہ ع

اسلام کو شاہی سے تعلق کیا ہے

کسی نے کہا حفیظ نے فردوسی کو منہ چڑایا ہے، کسی نے کہا اس کی جلد اول میں مذہبی بادشاہوں کا حال درج ہے۔ آگے چل کر دنیاوی بادشاہوں کے تذکرے ہوں گے لیکن سر شیخ عبد القادر مرحوم نے ان سب کے جواب میں بہت صحیح لکھا ہے کہ "پیغمبرِ اسلام شاہِ دیں بھی تھے اور شاہِ دنیا بھی اور یہی حال خلفائے راشدین کا تھا۔ پس انھیں شاہ کہنا اور ان کے حالات کا نام شاہنامہ رکھنا غیر موزوں نہیں ہے، رہ گیا فردوسی سے ہمسری کا دعویٰ سو اس کے جواب میں خود حفیظ کے وہ اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے فردوسی کے سامنے ان کے انکسار اور اسلام سے اُن کے گہرے لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے"

کیا فردوسیِ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ
مقابل کا کروں دعویٰ یہ طاقت ہے کہاں میری
تخیل میرا ناقص نا مکمل ہے زباں میری
زبانِ پہلوی کی ہم زبانی ہو نہیں سکتی

ابھی اردو میں پیدا وہ روانی ہو نہیں سکتی

کہاں ہے اب وہ دورِ غزنوی کی فارغ البالی

غلامی نے دوبار کھی ہے میری ہمت خالی

واقعہ یہ ہے کہ حفیظ نے تاریخ اسلام کو جس واقفیت اور جوش محبت کے ساتھ نظم کیا ہے اردو میں کسی اور کے یہاں اس کی مثال نہیں ملتی اُنھوں نے اردو کو "شاہنامہ اسلام" کے نام سے ایک ایسی طویل اور پاکیزہ نظم دیدی ہے جس سے اردو کا دامن اب تک خالی تھا۔ بحرِ ہزج مثمن میں بصورتِ مثنوی یہ ایک طویل مذہبی نظم ہے جو اپنے اندر جا بجا غیر معمولی شاعرانہ محاسن رکھتی ہے اور عام وخاص دونوں میں مقبول ہے۔ "شاہنامۂ اسلام" کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ حفیظ نے اس کے سارے اجزا کو بڑی اُمنگوں اور بڑے ولولوں کے ساتھ حدود رجہ صاف ستھری زبان اور دلآویز لب ولہجہ میں نظم کرنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ اس کے بہت سے ٹکڑے نہایت خوبصورت اور پُرزور دپُراثر شاعری کا نمونہ بن گئے ہیں دوسری خاص بات یہ ہے کہ حفیظ نے اصل واقعات سے تجاوز نہیں کیا بلکہ زیادہ تر وہ روایتِ صحیحہ کے حدود میں رہے ہیں ان کے شاہنامۂ اسلام کے حاشیائی نوٹ بتاتے ہیں کہ اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے زیادہ تر قرآن وحدیث ہی کو رہنما بنا کر کہا ہے۔ حفیظ کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے اصل واقعات کو مسخ کئے بغیر ان میں شاعری کا جادو جگایا ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ "شاہنامۂ اسلام" حقائق کا مظہر ہونے کے باوصف شعری محاسن سے خالی نہیں ہے۔ اس میں جا بجا بہت خوبصورت ٹکڑے مل جاتے ہیں اور حفیظ کو ایک ایسا بلند پایہ شاعر ثابت کرتے ہیں جیسے رزم و بزم کی تصویر کشی اور مناظر و جذبات کی مصوری دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے اس سلسلے میں پہلی جلد کے وہ اشعار خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں جن میں حفیظ نے آنحضرتؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے چند ساعت قبل کا منظر پیش کیا ہے چند شعر دیکھئے ؎

یہ کس کی جستجو میں مہرِ عالمتاب پھرتا تھا
ازل کے روز سے بیتاب تھا بے خواب پھرتا تھا
یہ کس کی آرزو میں چاند نے سختی سہی برسوں
زمیں پر چاندنی برباد و آوارہ رہی برسوں
یہ کس کے شوق میں پتھرا گئیں آنکھیں ستاروں کی
زمیں کو تکتے تکتے آ گئیں آنکھیں ستاروں کی
کروڑوں رنگتیں کس کے لئے ایام نے بدلیں
پیاپے کروٹیں کس دُھن میں صبح و شام نے بدلیں
یہ کس کے واسطے مٹی نے سیکھا گل فشاں ہونا
گوارا کر لیا پھولوں نے پامالِ خزاں ہونا
یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی اُمید کی خاطر
یہ ساری کاوشیں تھیں ایک صبحِ عید کی خاطر

ان اشعار کے بعد آنحضرتؐ کی بعثت کے سلسلے میں انبیا علیہم السلام کی دعاؤں اور آسمانی صحیفوں میں بشارتِ نبویؐ کا نہایت خوبصورت ذکر ہے۔ بعد ازاں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہے اور اس کا آخری حصہ "سلام" کے عنوان سے وہ ٹکڑا ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سُبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

ولادت اور سلام سے متعلق سارے اشعار جذب و تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مقبولِ عام و خاص ہیں۔

دوسری جلد میں آنحضرتؐ کی سیرت و صورت کا بیان متعدد عنوانوں کے تحت آیا ہے۔ اُسوۂ رسول اور اخلاقِ نبویؐ کا تذکرہ مختلف واقعات کے تعلق سے جگہ جگہ آیا

ہے لیکن معرکۂ بدر کے سلسلے میں حضور اکرمؐ کی شب بیداری لشکرِ اسلام کے ورود کے وقت صحرا کی دعا، عرصۂ کارزار میں آنحضرتؐ کی شرکت، اسیرانِ جنگ کے بارے میں آنحضرتؐ کا ارشاد، حضرت فاطمۃ الزہرا کی رخصت اور ان کا جہیز، مسجد نبوی میں مجلس شوریٰ اور آنحضرتؐ کا خطبہ اور رحمت اللعالمینؐ لباسِ جہاد میں، وغیرہ ایسے عنوانات ہیں جن کے شاعرانہ بیان میں حفیظ حد درجہ کامیاب ہوئے ہیں۔ صرف صحرا کی دعا کے چند اشعار دیکھئے۔ پس منظر یہ ہے کہ بدر کے میدان میں آنحضرتؐ کے ساتھ اسلامی لشکر آکر کھڑا ہوا ہے اور صحرا اپنی بے بضاعتی پر شرمسار ہو رہا ہے ؎

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر
دعا کی دامنِ صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر
خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا!
کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آکے ٹھہریں گے
خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو
بنایا جائے گا فرشِ عبادت میرے دامن کو
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس میہمانوں کو پلا دیتا!
میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرتؐ سے بجھا لیتا

مرے سر پر سے گذرا نوح کے طوفان کا پانی
تاسف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اُس وقت نادانی
اگر کرتا میں اس پانی کی تھوڑی سی نگہہ داری
تو ہو جاتا مری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری
یہ ستر اونٹ دو گھوڑے پیادہ سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غسل فرماتے
حضورِ ساقیٔ کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی
مری عزت مری شرمِ عقیدت آج رہ جاتی
ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمت اللعالمین سے شرم آئے گی
جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر
عطا بہر وضو ان کے لئے تھوڑا سا پانی کر
برائے چند ساعت ابرِ باراں بھیج دے یارب
بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب

صحرا کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اتفاقاً بادل گھر کر آتا ہے اور دامنِ صحرا کو سیراب کر دیتا ہے۔

شاعرانہ حسن کاری اور فنی کمالات کے ایسے ہی نمونے جلد سوم اور جلد چہارم میں اکثر جگہ مل جاتے ہیں۔ ہر چند ان چاروں جلدوں کے بیشتر واقعات ایسے ہیں جن میں آنحضرتؐ کی زندگی۔ سیرت، اخلاق اقوال، اعمال اور اوصاف ہی زیر بحث آتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ سب قصہ شاہنامہ کا جزو بن جاتے ہیں لیکن حفیظ نے ہر جلد میں واقعات

الگ ہو کر براہِ راست آنحضرتؐ کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں اور خود کو ایک بلند پایہ نعت نگار ثابت کیا ہے ہم نے ان کے نعتیہ کلام کے بعض اجزا منتخبات کے حصے میں درج کر دیئے ہیں۔

مولانا محمد یعقوب حسین صاحب ضیاء القادری بدایونی کا شمار پاک و ہند کے ان مشاہیر شعرا اور نعت لکھنے والوں میں ہوتا ہے جن کا رنگ مخصوص ہے۔ ان کی نعتوں کا ایک ایک شعر عزت و توقیر سرکار سید ابرار کا آئینہ دار اور خلوص و عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کا انتقال چند ہی برس ہوئے کراچی میں ہوا۔ ان کی ساری زندگی سن شعور سے وفات تک نعت و مناقب میں گذری، اسی لئے انھیں لسان الحسان کہا جاتا تھا۔ مولانا کا دیوان "تجلیات نعت" کے نام سے محرم ۱۳۶۹ھ میں دفتر رسالہ آستانہ دہلی نے شائع کیا اور ان سلاموں کا مجموعہ جو زائرین گنبد خضرا نے یا خود مولانا نے دربار حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کے "نغمہ ہائے مبارک" کے تاریخی نام سے صفر ۱۳۶۹ھ میں کراچی سے شائع ہوا۔ مولانا کا منظوم سفر نامہ حجاز بھی تازگی بخش ایمان ہے۔

ماہر القادری کو دین سے شغف اپنے گھر سے ورثے میں بھی ملا ہے۔ اور محنت و مطالعہ سے بھی انھوں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ شاعری میں انھیں کسی سے تلمذ نہیں ہے اُنھوں نے اپنی شاعرانہ اور ادبی حیثیت خود آپ بنائی ہے۔ بایں ہمہ دین سے گہرے لگاؤ اور طبیعت کی یکسانی کے سبب آخر انھوں نے اقبال کا خاصا اثر قبول کیا ہے ان کی کئی ایسی ملی نظمیں ہیں جن میں وہی حجازی لے کام کر رہی ہے جو اقبال کا طرۂ امتیاز ہے مثلاً ان کی وہ غزل نما نظم جس کا مطلع ہے ؎

وہی عقل کی پرستش وہی حوصلہ کی خامی
نہ وہ جراتِ کلیمی نہ وہ ذوقِ ہم کلامی

یا مولانا کی وہ غزل جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

اب جوشِ اضطراب کے سامان نہیں رہے
ساحل کو ہے گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے

دونوں غزلیں پُرسوز ہیں اور ملت کے جذبۂ غمخواری میں ڈوبی ہیں اور علامہ اقبال کے رنگ میں ہیں۔

ماہرالقادری نے بھی رسمی انداز کی نعتیں زیادہ نہیں کہیں لیکن ان کی نظموں اور غزلوں کے بعض اشعار کا رُخ دین کے توسط سے اکثر نعت ہی کے موضوع کی طرف رہتا ہے۔ دینی نظموں میں ان کی ایک نظم جسے غزل طور کہنا چاہیے "قرآن کی فریاد" کے عنوان سے بہت مقبول ہوئی ہے۔ قرآنِ پاک آنحضرتؐ کا معجزہ بھی ہے اور خالقِ کل کی طرف سے صحیفۂ نعت بھی۔ اس اعتبار سے قرآن کی تعریف یا اس کی عظمت کا اظہار حقیقتاً اُس ذات گرامیؐ سے اپنی محبت وعقیدت کا بالواسطہ اظہار ہے جس پر قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ "قرآن کی فریاد" میں شاعر نے بات تو صرف اس قدر کہی ہے کہ وہ "کتاب مبین" جو قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آئی تھی وہ بدقسمتی سے آج صرف طاقوں اور جزدانوں کی زینت ہے لیکن یہ بات ایسی تڑپ ایسی دردمندی اور ایسے پُردرد و پُرسوز لہجے میں کہی گئی ہے کہ وہ نعتیہ شاعری کا ایک دلکش جزو بن گئی ہے۔

یوں تو نعت کے موضوع پر ماہرالقادری نے بہت کچھ کہا ہے اور اُن کی کتاب "ذکرِ جمیل" میں کئی اچھی نعتیں شامل ہیں۔ لیکن زیادہ تر ان کے وہی نعتیہ اشعار ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں جن میں خیالات کا اظہار غزل کے پیرائے میں کیا گیا ہے ان کی ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار دیکھئے :-

کیا مدینے سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
یا نسیمِ سحری یوں ہی چلی آئی ہے
واقعہ یہ ہے کہ یادِ رُخِ جاناں کے بغیر

زندگی کیا ہے مسلسل شبِ تنہائی ہے

آپؐ سے پہلے نہ خوشبو تھی نہ رعنائی تھی

آپؐ آئے ہیں تو دنیا میں بہار آئی ہے

یہ اشعار ہر چند کہ آنحضرتؐ کی مدح میں ہیں لیکن ان میں عام مدحیہ قصائد کی سی لفظی صناعی اور زبان و بیان کا بے جا جوش و خروش نہیں ہے نہایت نرم و لطیف، سادہ و شیریں اور متغزلانہ لہجے میں جذباتِ محبت کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ یہ لہجہ پُرخروش اور تند و تیز نہیں بلکہ غزل کی طرح دھیما اور سبک ہے۔ اسی لئے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا لیکن نعت گوئی میں ماہر کو جو شہرت حاصل ہے اس میں ان کی اس قسم کی نعتیہ غزلوں کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا اس نعتیہ نظم کا ہے جو ماہر نے آج سے برسوں پہلے "حدیثِ قدسی" کے نام سے کہی تھی۔ یہ نظم بلحاظِ موضوع آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت سے تعلق رکھتی ہے اور بطور سلام کہی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظم اردو کی نعتیہ شاعری میں ایک قیمتی اضافہ ہے اس قسم کی خوبصورت اور پراثر نعتیہ نظمیں اردو میں زیادہ نہیں ہیں۔

محشر رسول نگری نے بھی نعت گوئی کی طرف بطورِ خاص توجہ دی ہے ان کی نعتیہ غزلیں رسائل و اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ریڈیو پاکستان سے بھی نشر ہوتی ہیں۔ نعتیہ غزلوں سے قطع نظر انھوں نے مسدس کی صورت میں ایک ایسی طویل نعتیہ نظم اردو کو دی ہے کہ اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ان کا نام کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

محشر رسول نگری کی یہ طویل نظم دو جلدوں میں "فخرِ کونین" کے نام سے شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہے۔ پہلی جلد ۱۹۶۱ء میں اور دوسری ۱۹۶۲ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ اس طویل نظم میں محشر رسول نگری نے آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ پہلی جلد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور ابتدائی زندگی سے لے کر مقامِ نبوت اور تبلیغِ اسلام تک کے ابتدائی مرحلوں کا ذکر ہے۔ دوسری

جلد حضورؐ کی زندگی کے باقی سارے اہم پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور فتح خیبر کے واقعات اور ان کے نتائج و اثرات پر ختم ہو جاتی ہے۔

محشر رسول نگری کا طویل مسدس "فخرِ کونین" اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے جس میں اسلام کی پوری تاریخ نظم کرنے کے بجائے صرف آنحضرتؐ کی زندگی اور سیرتؐ کردار کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ حضورؐ کی زندگی اور زندگی کے سارے واقعات کی جزئیات و تفصیلات میں ہر جگہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ کو رہنما بنایا گیا ہے ہر چند کہ اس نظم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے پورے جوشِ عقیدت اور تخیلی گلکاری کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن کہیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو اصل واقعات کے منافی ہو یا جس کی بنا پر مورخانہ نقطہ نظر سے حرف گیری کی جا سکے۔ خوبی یہ ہے کہ شاعر نے سارے واقعات کو حد درجہ سادگی و صفائی اور روانی و حسن کاری کے ساتھ نظم کیا ہے۔ واقعات کی تفصیلات میں بعض بڑے مشکل اور نازک مقامات آئے ہیں اور ان مقامات سے کامیاب گذر جانا آسان نہ تھا لیکن محشر رسول نگری سارے مشکل مرحلوں سے آسان گذر گئے ہیں اور اس کامیابی کے ساتھ کہ ان کی قادر الکلامی پر حیرت ہوتی ہے۔ وجہ صرف یہ کہ انھیں اپنے موضوع کی عظمت و نزاکت کا ہر جگہ شدید احساس رہا ہے اور انھوں نے جو کچھ کہا ہے حبِ رسولؐ کی سرمستی کے باوصف پوری احتیاط و ذمہ داری کے ساتھ کہا ہے خود کہتے ہیں ؎

نظروں سے چومتا ہوں مدینے کے بام و در
کرتا ہوں پھر ثنائے شہنشاہِ بحر و بر
دشوار ہے یہ مرحلۂ نعت کس قدر
میں چل رہا ہوں تیغِ برہنہ کی دھار پر
سرمست ہوں اگرچہ فروغِ نشاط سے

رکھتا ہوں ایک ایک قدم احتیاط سے

دورِ حاضر کے شعرا میں عبدالعزیز خالدؔ نعت گو کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ وہ اُردو کے ان عالم شاعروں میں سے ہیں جن کے دم سے اسلاف کے تبحرِ علمی اور طلاقتِ لسانی کی یاد تازہ ہے۔ وہ مشرق و مغرب کی کئی زبانوں کے عالم اور علومِ جدیدہ کے فاضل ہیں۔ انھوں نے اسلام اور تاریخ اسلام کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے یہ مطالعہ چونکہ خاص شغف اور خلوص کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے نظری بحثوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی اور شخصیت کا جزو بن گیا ہے۔ ایسا جزو جو اسلامی اقدار کا ترجمان و نقیب بن کر ان کے فکر و فن میں انفرادیت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ انفرادیت جزوی طور پر ان کے سارے کلام میں نظر آتی ہے لیکن اس کا کلی اور بھرپور اظہار ان کی دو نعتیہ تصانیف "فارقلیط" اور "منحمنا" میں ہوا ہے۔

"فارقلیط" کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں اس کی وضاحت خود شاعر نے اس طور پر کر دی ہے ع

نامِ ختمِ رسل انجیل میں ہے "فارقلیط"

یوں سمجھ لیجئے کہ اس کتاب کا عنوان ہی آنحضرتؐ کا اسمِ گرامی ہے اور صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا تعلق براہِ راست نعت کے موضوع سے ہے۔

فارقلیط دراصل ایک عظیم و طویل نعتیہ قصیدہ ہے جو اردو شاعری کی تاریخ میں اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عبدالعزیز خالدؔ کی دوسری تصانیف کی طرح "فارقلیط" کے مطالعہ کے وقت بھی غیر مانوس تشبیہات و استعارات، اجنبی تراکیب و تلمیحات اور عربی کے اشعار و فقرات ایک عام قاری کی راہ میں حائل ہوتے ہیں لیکن بحر کی روانی اور بیان کی پاکیزگی و شگفتگی نے اس میں حسن و اثر کا ایسا جادو جگایا ہے کہ عام طور پر عبدالعزیز خالدؔ

کی مشکل پسندی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اکثر مقامات پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سچے عاشق کے جذبات پھوٹ پڑے ہیں اور حب رسول کا ایک شیریں و شفاف چشمہ بہ رہا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہا ہے۔

عبدالعزیز خالد کی قادر الکلامی اور کمالاتِ شاعرانہ کا اظہار اس نعتیہ قصیدے میں حیرت انگیز طریقوں پر ہوا ہے۔ کہیں انھوں نے پورے کے پورے مصرعے اور شعر عربی کے ٹانک دیئے ہیں اور کہیں فقرات و تلمیحات کی پیوند کاری اردو کے ساتھ اس طرح کی ہے کہ ان کے یہاں عربی قصائد کی شان جھلک پڑتی ہے۔ کہیں خاص قسم کی تراکیب و تشبیہات کے اہتمام و طمطراق کے سبب ان کے یہاں فارسی قصیدہ نگاروں کی سی شوکتِ بیان پیدا ہو گئی ہے اور کہیں کہیں ہندوانی تلمیحات و علامات کے مسلسل استعمال نے انھیں محسن کاکوروی سے بہت قریب کر دیا ہے بطور مثال اس قصیدے کے چند اشعار دیکھئے ؎

میں شبدوں کی پیاسی میں چرنوں کی داسی
تری جستجو مجھ کو صبح و مسا ہے

نشیلے کنول نین کجرائے تیرے
چھپا کر نظر دل تجھے دیکھتا ہے

میں جوگن برہ گن میں کملی کمینی
تو سرتاج میرا مرا دیوتا ہے

تو دیپک میں کاجل تو درپن میں سیسہ
میں کالک تو پربھات کی لالما ہے

میں راتوں کو کوئل کی مانند کوکوں
کبھی لب پہ ڈھولا کبھی ماہیا ہے

میں ساجن کی بندی ہوں جنگی کر مندی
اسی کی مجھے چاہ ہے لالسا ہے
جگن ناتھ تجھ بن بھلا کون میرا
ابھاگن کو ہر کوئی دھتکارتا ہے
میں لوہا تو پارس میں کنکر تو ہیرا
میں مٹی کی گڑیا تو ابر و ہوا ہے
رہوں رات دن میں ترے سنگ سیّاں
مری روشنی ہے تو میرا دیا ہے
گرو دیو چیلی کا سنجوگ کیسا
میں دھرتی تو امبر میں کیا ہوں تو کیا ہے
بسا ہے تو جس دن سے من کے نگر میں
مرے من کا اس دن سے پٹ کھل گیا ہے
بھبھوت انگ پر ہے گلے مرگ چھالا
یہ خلعت محبت کی سرکار کا ہے
بھڑکتی ہے دل میں برہ کی جوالا
ترے بن یہ جیون سلگتی چتا ہے
بجھاتا ہے سیپی کی پیاس ابرِ نیساں
تو کس کارن اس من کو کلپا رہا ہے
میں پیاسی ہوں مجھ کو پلا مدھ پیالہ
لعاب دہن میں سُرا کا مزا ہے
یہ اشعار محسن کاکوروی کے قصیدہ لامیہ کی تشبیب سے ملتے جلتے ہیں۔ بیان کی

سادگی، شگفتگی اور روانی سے قطع نظر یہ اشعار ایک سچے عاشق کے عجز، نفس، رقتِ قلب، اور احساسِ انفعال کے ایسے مرقعے ہیں کہ سامع اور قاری پر بھی رقت کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔

اس قصیدے کے بعض ٹکڑے اور بعض اشعار عربی فارسی اور ہندی کی غیر مانوس تلمیحات سے یکسر پاک ہیں۔ ان میں روزمرہ کی شگفتہ و شائستہ زبان میں آنحضرت کی مدح کی گئی ہے۔ اس مدح کا لہجہ ایسا عاجزانہ اور پیرایہ ایسا دلآویز ہے کہ نعتیہ شاعری کا حق ادا ہو گیا ہے۔ اس طرح کا ایک ٹکڑا ہم نے منتخبات کے حصے میں درج کر دیا ہے۔

عبدالعزیز خالد کی دوسری نعتیہ تصنیف "منحمنا" بھی طویل قصیدے کی شکل میں ہے۔ "منحمنا" سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے بارے میں بھی شاعر نے کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر بتا دیا ہے کہ ع

"ہے یہ منجملۂ اسمائے رسولِ مقبول"

"منحمنا" کو اس کی ردیف کی رعایت سے قصیدہ میمیہ کہہ سکتے ہیں، اس میں چار سو چوالیس اشعار ہیں اور عبدالعزیز خالد کے خاص رنگ میں ہیں یعنی یہ قصیدہ بھی اردو فارسی عربی اور ہندی زبانوں کا حیرت انگیز سنگم ہے اور شاعر کے وفورِ جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ فنِ قصیدہ کی وہ روایت جس کا تعلق اظہارِ علم سے ہے اور جس کی مدد سے ہمارے قصیدہ نگاروں نے سطوتِ بیان اور شکوہِ الفاظ کو قصیدے کا وصفِ خاص قرار دیا ہے اس قصیدے میں پوری طرح در آئی ہے لیکن اس کے باوجود قصیدے کی روانی و شگفتگی کہیں مجروح نہیں ہوئی بلکہ شاعر کی قادر الکلامی نے اس کے بہاؤ، تسلسل اور باطنی آہنگ کو کچھ اور دلآویز اور باوقار بنا دیا ہے۔ ابتداء کے چند اشعار دیکھئے کیسے پُرشکوہ اور دلکش ہیں ؎

مطاعِ آدم و انجم متاعِ لوح و قلم
محمدؐ اُمّیِ محبُوبِ کبریا صلعم

محمدؐ انجمنِ کُن فکاں کا صدر نشیں
محمدؐ افسرِ آفاق و سرورِ عالم

وہ عبدُہٗ و رسولُہٗ و اسمہٗ احمد
کتاب و حکم نبوت کا خاتِم و خاتَم

حمُود و حامد و احمد محمّد و محمود
کریم و میرِ کرام و مکرّم و اکرم

وہ لا یموت سراجِ سُبل امامِ رُسُل
امیرِ قافلۂ سخت کوشِ اہلِ ہمم

جمیل و اجمل و کامل مکمّل و اکمل
ستم زدہ بشریت کا محسنِ اعظم

نثار نغمۂ داؤد و لحن باربدی
ہیں حرفِ سادہ پہ قرباں سماع و صوت و نغم

الحاج حکیم عبدالکریم ثمر (ولادت ۱۹۰۵ء) کی شاعری کا آغاز اگرچہ غزل سے ہوا لیکن جلد ہی طبیعت نظم کی طرف مائل ہو گئی۔ ۱۹۳۲ء سے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں اور یومِ اقبال کی تقریبات میں نظم خوانی کر رہے ہیں۔ تحریکِ پاکستان میں بھی ان کی مترنم نظمیں خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اقبال کے مدرسۂ فکر کے بالغ نظر طالبِ علم ہیں۔ ان کی شاعری کا مرکزی نقطہ امید و نشاط ہے اور محورِ فکر اسلام یعنی ع ثنائے سرورِ عالم ستائشِ اسلام

اور اب ایک مدت سے نعت و منقبت ہی اُن کا وظیفۂ حیات ہے۔

اختر کو بھی نعت کے موضوع سے گہرا لگاؤ ہے اور ان کی تصنیف "ترتیل" میں نعتیہ شاعری کے بعض بہت اچھے نمونے ملتے ہیں "ترتیل" ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۴ھ میں حلقۂ اربابِ چشت نارتھ ناظم آباد کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ قابلِ مطالعہ ہے۔ اسلام میں شاعری کے جواز، شاعری سے آنحضرتؐ کی دلچسپی، حسان بن ثابت اور کعب بن زہیر کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داد و تحسین، عربی نعت کے مختلف ادوار اور عربی شاعری کی خصوصیات وغیرہ پر خاصی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث مدلل ہے اور مصنف نے جگہ جگہ احادیث و آیات قرآنی سے اپنی باتوں کے لئے ثبوت پیش کئے ہیں۔

"ترتیل" کا آغاز "حمد" سے ہوتا ہے اس کے بعد نعتیں اور سلام ہیں ہیئت کے اعتبار سے اختر کی نعتیں متنوع ہیں۔ شاعر نے مسدس، مخمس، مربع، قصیدہ، غزل اور قطعہ وغیرہ کی مختلف ہیئتوں سے کام لیا ہے۔ ان کی وہ نعتیہ نظم جس کا پہلا بند درج ذیل ہے بہت مقبول ہوئی ہے۔

تیرے لئے تڑپ اُٹھی ساری حیات گوناگوں
تیرے ہی سامنے ہوئے سارے فرشتے سرنگوں
تو ہی تو آیۂ مکاں تو ہی تو عرش کا ستوں
تیری ہی آنکھ میں تو ہے سارے جہان کا فسوں

اولنا محمدؐ آخرنا محمدؐ
صل علیٰ نبینا صل علیٰ محمدؐ

اختر کی ایک اور نعتیہ نظم قابلِ ذکر ہے۔ اس نظم کے ٹیپ کا مصرع ہے ع

محمدؐ حشر کے میداں میں دولہا بن کے نکلیں گے

یہ نظم ایک زمانے میں بہت مقبول ہوئی اور قوالوں کے ذریعے اس کی شہرت دُور دُور تک پہنچی۔ اختر کی نعتیہ شاعری کا ایک وصف یہ ہے کہ اس کا اندرونی آہنگ آنحضرتؐ کی ذات و صفات سے شدید محبت اور ایک طرح کی تڑپ کا احساس دلاتا ہے۔ اس محبت اور تڑپ کو اگرچہ بعض جگہ بھرپور اظہار کا پیرایہ نہیں مل سکا پھر بھی کلام کی تاثیر میں فرق نہیں آیا۔

اختر کی نعتیہ غزلوں میں لمبی بحر کی غزلیں، چھوٹی بحر والی غزلوں کے مقابلے میں زیادہ دلکش ہیں خصوصاً وہ غزلیں جن کے مطلعے مندرجہ ذیل ہیں بہت اچھی ہیں

بہارِ عالم نگارِ یزداں دکھادے للہ نقاب اُٹھا کر
کہ منتظر ہے نہ جانے کب سے یہ طور سرمہ لگا لگا کر

دل ہے تو ڈوبا ڈوبا سا اور نوکِ زباں پر نعتیں ہیں
ہم اپنے نبی پر صدقے ہیں اور اپنے نبی کی باتیں ہیں

خدائے لم یزل کے دستِ قدرت کا عصا ہوں میں
محمدؐ میرے آقا ہیں محمدؐ کا گدا ہوں میں

اوپر جن شعرا کی نعت نگاری پر مختصر تبصرے کیے گئے ہیں بات انھی پر ختم نہیں ہوئی۔ محمد قلی قطب شاہ سے لے کر عبدالعزیز خالد تک سیکڑوں شاعر ہیں جن کے یہاں نعتیہ شاعری کے بعض نہایت اچھے نمونے ملتے ہیں۔ میں نے تو اس جگہ زیادہ تر ان نعتیہ غزلوں اور نظموں کا ذکر کیا ہے جن کے بعض اجزا اپنی مقبولیت کی بنا پر حلقۂ خاص سے نکل کر مجمع عام تک پہنچ گئے ہیں یا پہنچ رہے ہیں ورنہ قدیم شعراء کے دواوین و کلیات میں ایسی سیکڑوں نعتیں ملتی ہیں جنہیں ارد و مثنوی اور اردو قصیدہ نگار شاعر سودا کو لے لیجئے

ان کے دیوان کے پہلے قصیدے کا مطلع ہے ؎

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ چھوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

یہ مشہور قصیدہ نعت میں ہے اور اس میں زبان و بیان اور خیال و فکر کی ایسی خوبیاں اور ایسی بلندیاں نظر آتی ہیں جن پر فن قصیدہ کی روشنی میں بڑی طویل گفتگو کی جا سکتی ہے۔ یہی صورت مومنؔ کے اس قصیدے کی ہے جس کا مطلع ہے ؎

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر نالہ ہائے خروس

مومنؔ کی زبان دانی، قادر الکلامی اور کمال شاعرانہ کا جیسا اظہار اس نعتیہ قصیدے میں ہوا ہے کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اس کی شہرت عوام تک کیا پہنچتی خواص میں بھی اب چند کے سوا، سب اس کا پورا لطف نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن قصیدہ نگاری کی حیثیت سے مومنؔ کے مرتبے کو بلند تر کرنے اور اردو قصیدے میں فارسی قصائد کا طمطراق فراہم کرنے میں اس قصیدے کا جو حصہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہی صورت بعض مثنویوں کی ہے۔ ہم نے بعض مثنویوں کا سرسری ذکر کیا ہے لیکن قدما کے یہاں نعت کے موضوع پر متعدد قابل ذکر مثنویاں موجود ہیں اور ان پر تفصیل سے مثنوی کے فن کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

قصیدہ مثنوی اور غزل وغیرہ کی صورتوں سے قطع نظر نظم آزاد اور نظم معریٰ میں بھی گذشتہ دس پندرہ سال میں بہت اچھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ یہ نعتیں زندگی کے نئے تقاضوں، نئے ماحول، نئی تحریکوں اور نئے مسائل کی آفریدہ ہیں۔ ان کی ہئیتیں اور فکر و نظر کے لحاظ سے ان کی نوعیتیں پرانی نعتوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان میں آنحضرتؐ کی زندگی کو نئے زاویوں سے دیکھنے دکھانے اور نعت کے باب میں فکر و فن

کی نئی راہیں کھولنے کی کوشش ملتی ہے۔ افسوس کہ یہ نعتیں مختلف اخبار ورسائل میں بکھری پڑی ہیں اور یکجا نہ ہونے کے سبب ان کے بارے میں تفصیل سے سردست کچھ کہنا مشکل ہے۔ انتخاب کے حصے میں جدید نعتیہ نظموں کے بعض نمونے البتہ دے دیئے گئے ہیں ان سے نعت کی روش اور امکانات کا کم وبیش اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ مردے از غیب بروں آید اور اردو کی نعتیہ شاعری کا محققانہ وناقدانہ جائزہ لے کر اس کی قدروقیمت کا تعین کرے اور نعت گو شعرا کو وہ منصب دلائے جو حالات کی ستم ظریفی نے اُن سے چھین رکھا ہے۔

تبرکات

شیخ سعدیؒ

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ و آلہٖ

شاہ عبدالعزیز دہلوی

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خواجه نظام الدّین اولیا

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دعاگو سلام برخواں
بگرد شاہِ مدینہ گرد و بصد تضرّع پیام برخواں
بنہ بجبیں ادب طرازی، بہ ارادت بخاکِ آں کو
صلواۃ وافر بروحِ پاکِ جنابِ خیرالانام برخواں
بہ بابِ رحمت گہے نظر کُن بہ بابِ جبریل گہہ جبیں سا
صلواۃ منّی علیٰ نبی گہے بہ بابِ السلام برخواں
بہ لحنِ داؤد و ہمنوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزمِ پیغمبر ایں غزل را ز عبدِ عاجز نظام برخواں

امیر خسرو دھلوی

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیبا تری

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو از پری چابک تری وز برگِ گل نازک تری
از ہر چہ گویم بہتری حقّا عجائب دلبری

عالم ہمہ یغمائے تو خلق جہاں شیدائے تو
آں نرگسِ شہلائے تو آوردہ رسم کافری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

عبدالرحمٰن جامی

○

سلامٌ علیک اے نبی مکرّم — مکرم تراز آدم و نسلِ آدم
سلامٌ علیک اے ز آبائے علوی — بصورت موخّر بمعنی مقدم
سلامٌ علیک اے ز اسمائے حسنیٰ — جمالِ تو آئینۂ اسمِ اعظم
زسعی تو شد فتح ابواب مغلق — ز نطق تو شد کشفِ اسرارِ مبہم
توئی یا رسول اللہ آں بحرِ رحمت — کہ باشد محیطاز عطائے تو یک نم

کشائی بہ تخلیص مالب کہ آمد
ترا فتح بابِ شفاعت مسلّم

○

نبی حبیبِ عربیؐ مدنیؐ قرشی — کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی
فہم رازش نکنم او عربی من عجمی — لافِ مہرش چہ زنم او قرشی من حبشی
ذرہ دارم بہ ہوا داری او رقص کناں — تا شد اُو شہرۂ آفاق بخورشید وشی
صفتِ بادۂ عشقش ز من مست مپرس — ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

جائے ارباب وفا جز رہِ عشقش نزدند
سرمبادت گر ازیں راہ قدم باز کشی

حاجی محمد جان قدسی

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجبی

نسبتِ نیست بذاتِ تو بنی آدم را
بہتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

ذاتِ پاکِ تو چو در ملکِ عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

ما ہمہ تشنہ لبانیم زہر نیکیِ اعمال میرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

بہ چشمِ رحمت بکشا، سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

اسد اللہ خاں غالب

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

ہر کس، قسم بہ آنچہ عزیز است، می خورد
سوگندِ کردگار، بجانِ محمدؐ است

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کایں جا سخن ز سرو روانِ محمدؐ است

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

شاہ نیاز احمد بریلوی

دلا خاکِ رہِ کوئے محمد شو محمد شو
زہر سوئے بیا سوئے محمد شو محمد شو

بہر دم سجدۂ جاں سوئے ابروئے محمد کن
بروئے قبلۂ روئے محمد شو محمد شو

تجرد پیشہ گیر از قید عالم وارہاں خودرا
اسیرِ حلقۂ موئے محمد شو محمد شو

باخلاقِ الٰہی متصف بودن اگر خواہی
سراپا سیرت خوئے محمد شو محمد شو

بکن خالی مشام از بوئے گلہائے جہاں اے دل
بیاد لخلخۂ بوئے محمد شو محمد شو

نیاز اندر دلت گر مہرِ عرفانِ خدا باشد
فدائے شانِ دلجوئے محمد شو محمد شو

علامہ اقبال

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است — آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش — تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد
در نگاہِ اُو یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خواں نشست
روزِ محشر اعتبارِ ماست اُو — در جہاں ہم پردہ دارِ ماست اُو
لطف و قہرِ او سراپا رحمتے — آں بیاراں ایں باعدا رحمتے
آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد — مکہ را پیغامِ لا تثریب داد
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت — آتشِ اُو ایں خس و خاشاک سوخت

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

★

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی — جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسۂ بامت بلند
در جہاں شمعِ حیات افروختی — بندگاں را خواجگی آموختی
تا دمِ تو آتشے از گل کشود — تودہ ہائے خاک را آدم نمود

ذرّه دامن گیرِ مهر و ماه شُد — یعنی از نیروی خویش آگاه شد
تا مرا اُفتاد بر رویت نظر — از اب و ام گشتهٔ محبوب تر
عشق در من آتشے افروختہ است — فرحتش بادا کہ جانم سوختہ است

اُردو کی

منتخب نعتیں

امیر مینائی

خلق کے سرور، شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسلِ داور، خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ مجسم، نیرِ اعظم سرورِ عالم مونسِ آدم
نوح کے ہمدم، خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت، کانِ مروت، آیۂ رحمت، شافعِ امت
مالکِ جنت، قاسمِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم

رہبرِ موسیٰ، ہادیِ عیسیٰ، تارکِ دنیا، مالکِ عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ، خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

سروِ خراماں، چہرہ گلستاں، جبۂ تاباں، مہرِ درخشاں
سنبلِ پیچاں، زلفِ معنبر صلی اللہ علیہ وسلم

قبلۂ عالم، کعبۂ اعظم، سب سے مقدم، راز سے محرم
جانِ مجسم، روحِ مصور صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ، نعت امیرؔ اپنا ہے پیشہ
وردِ ہمیشہ دن بھر شب بھر صلی اللہ علیہ وسلم

*

(۲)

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت
شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے
مدد اے شوق کہ پیچھے میں رہا جاتا ہوں
کاروانِ رہِ یثرب میں ہوں آوازِ درا
سب میں شامل ہوں مگر سب سے جُدا جاتا ہوں
اس لئے تا نہ ملے ڈھونڈنے والوں کو پتا
محو کرتا ہوا نقشِ کفِ پا جاتا ہوں

★

محمد اسمٰعیل میرٹھی

وہ اوجِ پیغمبری کا تارا — ہوا ہے مکہ میں جلوہ آرا
کرے گا جو ماہ کو دو پارا — ہے جس کا قوسین تک گذارا
وہ اُمتوں کے لئے سہارا — وہ جس نے اخلاق کو سنوارا
ہے زلزلہ میں جہان سارا — محلِ کسریٰ دُکھتِ دارا
نہیں اطاعت سے اُس کی چارا — یہود ہو یا کوئی نصاریٰ
صلواۃ اُس پر سلام اُس پر اور اُس کے سب آلِ باصفا پر

وہ علم و حکمت سکھانے والا — پیامِ حق کا وہ لانے والا
کلامِ حق کا سنانے والا — عذابِ حق سے ڈرانے والا
وہ رسمِ بد کا چھڑانے والا — وہ جہل و بدعت مٹانے والا
وہ بت پرستی اُٹھانے والا — وہ سیدھا رستہ چلانے والا
مقامِ محمود پانے والا — وہ بیتِ اقصیٰ کو جانے والا
صلواۃ اُس پر سلام اُس پر اور اُس کے سب آلِ باصفا پر

وہ جلوہ ہے نورِ کبریا کا — وہ صدر ہے بزمِ اصطفا کا
امام ہے خیلِ انبیا کا — ہے پیشوا مسلکِ خدا کا
طبیب ہے شرک اور ریا کا — کہ خاص بندہ ہے وہ خدا کا
ہے آئینہ صدق اور صفا کا — وہ شاہ تسلیم اور رضا کا
وہ قبلہ ہر شاہ اور گدا کا — وہ کعبہ ابرار و اصفیا کا
صلواۃ اُس پر سلام اُس پر اور اُس کے سب آلِ باصفا پر

علامہ اقبال

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر — اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں — پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد — اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

(۲)

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

(۳)

نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم اٹھا اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
ترے ثنا گو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر
جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر
جسے محبت کا درد کہتے ہیں مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ ہم نے رکھا ہے دل میں اس کو چھپا چھپا کر
خیالِ راہِ عدم سے اقبال تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

اختر شیرانی

کس نے پھر چھیڑ دیا قصۂ لیلائے حجاز
دل کے پردوں میں مچلتی ہے تمنائے حجاز

بھر کے دامن میں غریبوں کی دعائیں لے جا
اے نسیم سحر اے بادیہ پیمائے حجاز

بزم ہستی میں ہے ہنگامۂ محشر برپا
اب تو ہو خواب سے بیدار مسیحائے حجاز

مے افرنگ میں باقی نہ رہا کوئی سرور
ہم نے جس دن سے چکھی ہے مے مینائے حجاز

دل دیوانہ دعا مانگ وہ دن پھر آئے
وہی ہم ہوں وہی سجدہ وہی صحرائے حجاز

خاکِ یثرب کے ہر اک ذرّہ سے آتی ہے صدا
اخترِ خاک نشیں ناصیہ فرسائے حجاز

★

احسن مارہروی

پیاسا ہے جو دیدارِ رسولِ عربی کا — کیا خوف قیامت کا اُسے تشنہ لبی کا
تو احمد و محمود و محمد ہے بلاشک — شہرہ ہے فرشتوں میں تری خوش لقبی کا
دشمن بھی ہیں مداحِ شہنشاہِ رسالت — ادنیٰ سا یہ اعجاز ہے اخلاقِ نبی کا
حسرت ہے کہ طیبہ کو چلی جاتی ہے دنیا — ہوتا نہیں کیوں حُکم ہماری طلبی کا
مدّاح ہوں، محتاج ہوں، بندہ ہوں، گدا ہوں — مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا

اللہ کے بندوں میں ہے احسن وہی محبوب
آئینِ محبت میں جو بندہ ہے نبی کا

★

اصغر گونڈوی

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود — جُز این کہ لطفِ خلش ہائے نالۂ بے سود
یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے — بڑے غضب کی ہے نیرنگیِ طلسمِ نمود
وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیِ کونین — وہ جانِ حُسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود
وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کُنجِ حرا — وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دو جہاں، وہ محمدِ عربی — بہ روحِ اعظم و پاکش درود نا محدود
ضیائے حُسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے — چمک گیا ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود
وہ مستِ شاہدِ رعنا، نگاہِ سحر طراز — وہ جامِ نیم شبی نرگسِ خمار آلود

کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

علی اختر حیدر آبادی

سینۂ بحر میں ہنوز موج نہ تھی سبک خرام
خاک کے اس کُرّے میں تھا نقشِ حیات ناتمام
محفلِ کائنات کی آنکھ ابھی کھُلی نہ تھی
شانے ہلا رہا تھا گو بادِ سحر کا اہتمام
عارضِ صبح میں نہ تھیں حُسن کی یہ لطافتیں
ایسی نشاط آفریں تھی نہ ابھی جبینِ شام
خاکِ عرب ترے نثار دونوں جہاں کی نعمتیں
تو نے کچھ اور کر دیا بزمِ حیات کا نظام
سید افضل الکرم جان و جہاں ترے نثار
سرورِ صاحب الجمال دیدہ و دل ترے مقام
اپنے کرم کا واسطہ اپنی عطا کا واسطہ
صرفِ کشاکشِ حیات آج ہیں پھر ترے غلام
جادۂ زندگی میں ہیں پھر وہی پیچ و خم عیاں
عرصۂ کائنات ہے غرقِ فریبِ ننگ و نام
علم کی نارسی ہے پھر دعوتِ حق سے بے نیاز
حد سے گذر رہا ہے پھر عقل کا ہر جنونِ خام
خاکِ رہِ نیاز ہیں رتبۂ امتیاز دے
حوصلۂ بلند دے ہمتِ سرفراز دے

اکبر الٰہ آبادی

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ، یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُن کے، یہ شانِ نبوّت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پُر نور ہوئی
یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ، یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرش اس دل کی بلندی صلِ علیٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اُٹھی تکبیر کا غُل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلِ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبرؔ مضموں ہے ترا پاکیزہ تر
بُلبل کے ترانے صلِ علیٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

٭

اکبر وارثی میرٹھی

جب عرب کے چمن میں وہ نورِ خدا، ہر طرف اپنا جلوہ دکھانے لگا
کفر غارت ہوا، بت گرے ٹوٹ کر، منہ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

بدلیاں رحمتوں کی گرجنے لگیں، نوبتیں شادمانی کی بجنے لگیں
دین کی فوجیں ہر سمت سجنے لگیں، پرچم اسلام کا جگمگانے لگا

کنگرے قصرِ کسریٰ کے گرنے لگے، ڈوبتے کلمہ پڑھ پڑھ کے تَر نے لگے
آگ آتش کدوں کی بجھانے لگا خشک صحرا میں پانی بہانے لگا

سونگھ کر بھینی بھینی وہ خوشبوئے تن، دیکھ کر رحمتِ حق یمین و رحمٰن
کہہ کے "انتَ نبیؐ" پڑھ کے صلِّ علیٰ، بلبلِ خوشنوا چہچہانے لگا

جیسے تاروں میں جلوہ ہو مہتاب کا، وہ پرا باندھ کر چار اصحابؓ کا
سید صارستہ کسی کو بتانے لگا، دل کسی کا ادا سے لبھانے لگا

اکبرِ خستہ کی چار ہیں التجا، ان میں سے کوئی پوری ہو بہرِ خدا
یا تو جلوہ دکھا، یا مدینے بلا، ورنہ خدمت میں رکھ دل ٹھکانے لگا

٭

اقبال سہیل اعظم گڑھی

احمدِ مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسمِ مزکیٰ، رُوحِ مصور، قلب مجلیٰ، نورِ معطر
حسنِ سراپا خیرِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، ایک خدا سے رشتہ جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اُس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

قبلہ نمائے سجدہ گذاراں شعلۂ سینا جلوۂ فاراں
صبحِ بہاراں جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض دارو دے شفا دی طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

احسان دانش

حسنِ ذات کو ہجومِ عاشقاں درکار تھا
عاشقوں کو بہرِ سجدہ آستاں درکار تھا
اس بساطِ خاک کی نشو و نما کے واسطے
اک حکیم آب و گِل اک چارہ خواں درکار تھا
قافلے کو منزلِ انسانیت کے واسطے
نسلِ انساں سے امیرِ کارواں درکار تھا
چاہیئے تھا آدمی کی رہبری کو آدمی
مرسلوں کو سربراہِ مرسلاں درکار تھا
منجمد تھی کب سے صحرائے عرب میں زندگی
حق نے پیغمبر وہیں بھیجا جہاں درکار تھا
یا محمدؐ تو نے رکھ لی مسلکِ آدم کی لاج
جس کو دانائے دو حرفِ کن فکاں درکار تھا
سچ تو یہ ہے اُس خدائے دو جہاں کے واسطے
بزمِ عالم میں رسولِ دو جہاں درکار تھا
ہاں مرے سجدوں میں تھی دانش اسی در کی تڑپ
میری پیشانی کو بس اک آستاں درکار تھا

★

افقرؔ موہانی

مری بے قراری کی شام اللہ اللہ — زباں پر محمدؐ کا نام اللہ اللہ
متاعِ دو عالم کو ٹھکرا رہا ہے — غلاموں کا ان کے غلام اللہ اللہ
درِ پاک پر وہ ہجومِ خلائق — فرشتوں کا وہ اژدہام اللہ اللہ
سرِ عرش پہنچا نہ کوئی، مگر ہاں — محمدؐ علیہ السلام اللہ اللہ
یہ کہنا صبا بابِ عالی پہ جاکر — جہاں وہ ہیں عالی مقام اللہ اللہ

رہے کیوں حضوری سے محروم افقرؔ
بنے ہیں ہزاروں کے کام اللہ اللہ

*

احمد ندیم قاسمی

دنیا ہے ایک دشت تو گلزار آپؐ ہیں — اس تیرگی میں مطلعِ انوار آپؐ ہیں
یہ بھی ہے سچ کہ آپ کی گفتار ہے جمیل — یہ بھی ہے حق کہ صاحبِ کردار آپؐ ہیں
ہو لاکھ آفتابِ قیامت کی دھوپ تیز — میرے لئے تو سایۂ دیوار آپؐ ہیں
یہ فخر کم نہیں کہ میں ہوں جس کی گردِ راہ — اس قافلے کے قافلہ سالار آپؐ ہیں
دربارِ شہ میں بھی نہیں اگر سرکشیدہ ہوں — اس کا ہے یہ سبب، مرا پندار آپؐ ہیں
مجھ کو کسی سے حاجتِ چارہ گری نہیں — ہر غم مجھے عزیز کہ غم خوار آپؐ ہیں
مجھ پر یہ جرمِ غربت و دامن دریدگی — سب لوگ سنگ زن ہیں تو گلبار آپؐ ہیں
ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دلکشی — اس کا یہ راز ہے، مرا معیار آپؐ ہیں

انسان مال و زر کے جنوں میں ہے مبتلا
اس حشر میں ندیمؔ کو درکار آپؐ ہیں

محمد اعظم چشتی

ایسا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ کہیں ہے
بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشیں ہے

ملتا نہیں کیا کیا دو جہاں کو ترے در سے
اک لفظ "نہیں" ہے کہ ترے لب پہ نہیں ہے

ہیں تیرے ہوا خواہوں میں مرسل بھی نبی بھی
کونین ترے زیرِ اثر زیرِ نگیں ہے

تو چاہے تو ہر شب ہو مثالِ شبِ اسریٰ
تیرے لیئے دو چار قدم عرشِ بریں ہے

ہر اک کو میسر کہاں اُس در کی غلامی
اس در کا تو دربان بھی جبریلِ امیں ہے

رُکتے ہیں یہیں آکے قدم اہلِ نظر کے
اس کوچے سے آگے نہ زماں ہے نہ زمیں ہے

اے شاہِ زمن اب تو زیارت کا شرف دے
بے چین ہیں آنکھیں مری بیتاب جبیں ہے

دل گریہ کناں اور نظر سوئے مدینہ
اعظم ترا اندازِ طلب کتنا حسین ہے

★

اسیر بدایونی

شبِ معراج، معراجِ شب و روز — تجلّی و سیاہی دیدہ افروز
اندھیرا شب کا حُسنِ مدعا ہے — اُجالا، شمعِ راہِ ہر دعا ہے
سیاہی ماہ کی آنکھوں کا ہے نور — تجلّی توتیائے دیدۂ نور
اُدھر شوقِ لقا میں کوئی بیتاب — اِدھر کوئی ہے نقشِ بسترِ خواب
اُدھر ملنے کا کوئی آرزو مند — اِدھر تھیں آنکھیں خوابِ ناز سے بند
یکایک حضرت جبریل آئے — پیامِ دِل برائے وصل لائے
مؤدب دست بستہ سر جھکا کر — جبیں کو پائے انور سے لگا کر
شبِ اسرا کے دولھا کو جگایا — زباں ہو کر کسی کو یہ سنایا
براقِ برق دُم مُرغِ سبکبال — ہر اک بڑھتی ہوئی دولت کا اقبال
سواری کے لئے حاضر ہے در پر — کہ پیرا [illegible] کے ہیں گویا نور کے پر
نہ شعلہ تھا نہ وہ برق و شرارہ — کسی کی آنکھ کا تھا اک اشارہ
خرامِ ناز نے جوہر دکھایا — نگہ کی مثل جا کر لوٹ آیا
عجب جانا تھا اس کا طرفہ آنا — کہ آنا اور جانا کچھ نہ جانا

*

ہری چند اختر

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اُس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

شوکتِ مغرور نے کس شخص کا توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیّا ہو گیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

*

جگن ناتھ آزاد

سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر

سلام اُس پر کہ جس کے نور سے پُر نور ہے دنیا
سلام اُس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا

سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو سرفراز
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ

مددگار و معاون بے بسوں کا زیردستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا

بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اُخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اس ذاتِ اقدس پر حیاتِ جاودانی کا
سلام آزادؔ کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

★

اختر حسین اختر

سلام اے آمنہ کی گود میں قرآں کے پارے
سلام اے آدم و حوّا کے ارمانوں کے گہوارے

دعائے قلبِ ابراہیم و جانِ عیسیٰ و موسیٰ
سلام اے اولیا و انبیا کی آنکھ کے تارے

سلام اے نورِ یزداں کے مجاز ظاہر و باطن
سلام اے عشق کے قلزم سلام اے حسن کے دھارے

تری ہستی نے بخشی، نبضِ دوراں کو توانائی
سلام اے کاروانِ آدمیت کے جگر پارے

یتیموں اور بیواؤں کی آہیں رنگ لے آئیں
سلام اے خشک ہونٹوں کے لئے کوثر کے فوّارے

نظر میں جلوۂ جاناں لئے ہے اخترِ کمتر
وہ نعلینِ محمدؐ پر فدا ہوتے ہیں مہ پارے

سلام اُس پر
جو ظلمتوں میں منارۂ روشنی ہوا ہے
جو ایسا سورج ہے جس کی کرنیں
ازل ابد کے تمام گوشوں میں نور بن کے سما چکی ہیں
ہر ایک ذرہ کو ماہ تاباں بنا چکی ہیں
سلام اُس پر
جو حرفِ حق ہے
وہ حرفِ حق جو سماعتوں اور خدائے برتر کے درمیاں
ایک واسطہ ہے
جو خاکِ مردہ میں جان ڈالے وہ کیمیا ہے
سلام اُس پر
جو خیرِ اعلیٰ ہے — اور سب کو
بلندیوں پر بلا رہا ہے
بلا رہا ہے کہ رفعتوں کا سفیر ہے وہ
بشیر ہے وہ نذیر ہے وہ
سلام اُس پر
جو بے نواؤں کا آسرا ہے
جو سارے عالم کی ابتدا ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
سلام اُس پر
جو راہِ حق پہ بلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے بلا رہا ہے کہ حق نما ہے

ڈاکٹر ابراھیم خلیل شیخ

صبا یہ کیا آج لائی مژدہ کہ غنچہ غنچہ چٹک رہا ہے
کہیں پہ لہرا رہا ہے لالہ کہیں پہ سبزہ لہک رہا ہے

صدائے سُبحانِ ربّنا ہے کہیں پہ صلِّ علیٰ کے نعرے
طیور تسبیح خواں کہیں ہیں کہیں پہ بلبل چہک رہا ہے

پکار طاؤس کی کہیں ہے کہیں پہ ہے قمریوں کی کوکو
کہیں ہے نغمہ طراز طوطی کہیں گلِ تر مہک رہا ہے

کہیں ہے طٰہٰ کہیں ہے یٰسیں، کہیں مزمّل کہیں مدثّر
تمام قرآں میں مثلِ خورشید نام احمدؐ چمک رہا ہے

مریضِ دردِ فراق ہوں میں نہ طاقتِ انتظار ہے اب
دکھا دو دیدار خواب ہی میں کہ آنکھوں میں دم اٹک رہا ہے

کمالِ احسان مجھ پہ ہوگا اگر بلا لو مدینے آقا
تمہاری فرقت میں رات دن اب خلیلِ خستہ بلک رہا ہے

★

بیدم شاہ وارثی

آئی نسیمِ کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کعبہ ہمارا کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مصحفِ ایماں روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لے کے مرا دل آئیں گے مرجائیں گے مٹ جائیں گے
پہنچیں ہم تا بکوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

طوبیٰ جانب دیکھنے والو آنکھیں کھولو ہوش سنبھالو
دیکھو قدِ دلجوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نام اسی کا بابِ کرم ہے دیکھ یہی محرابِ حرم ہے
دیکھ خمِ ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بھینی بھینی خوشبو مہکی بیدم دل کی دنیا لہکی
کھل گئے جب گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

★

بیدل جبلپوری

مقدر مجھے لے تو جائے مدینے، کفِ پائے اہلِ حرم چوم لوں گا
میں جھاڑوں گا پلکوں سے گلیاں وہاں کی نگاہوں سے بابِ حرم چوم لوں گا

ثنائے حبیبِ خدا میں کروں گا، مرا نطق چومے گا میری زباں خود
میں نعتِ محمد رقم کرتے کرتے، قلم اور زبانِ قلم چوم لوں گا

محبت کے جذبے سے بیتاب ہو کر، درِ مصطفیٰ پر جھکے جب مرا سر
اجل تو اگر ساتھ دے دے وہاں پر، قسم تیری تیرے قدم چوم لوں گا

وہ کانٹے جو دیکھیں گے سوکھی زباں پر، تو جوشِ محبت سے ساقیِ کوثر
پلائیں گے بھر بھر کے ساغر پہ ساغر، میں ساقی کا دستِ کرم چوم لوں گا

پسینے میں اُن کی نہا آئی ہے تو، چرا لائی ہے اُن کی زلفوں کی خوشبو
جو مل جائے مجھ کو تو تیرے قدم میں، نسیمِ بہارِ ارم چوم لوں گا

غمِ مصطفیٰ کی رہے دل میں دھڑکن، جلے سوزِ فرقت سے ہر وقت تن من
رہے تر ہمیشہ جو اشکوں سے دامن، تو بیدل تری چشمِ نم چوم لوں گا

٭

بہزاد لکھنوی

بھلا میں اور اُن کا بیاں اللہ اللہ
خُدا جن کا ہے مدح خواں اللہ اللہ

ہوئی ختم جن پر دو عالم کی نعمت
جو ہیں خاتم المرسلاں اللہ اللہ

وہ جن کی طرف ہے نظر عاصیوں کی
جو ہیں شافعِ بے کساں اللہ اللہ

وہاں سُن رہے ہیں جو روداد میری
میں گو کہہ رہا ہوں یہاں اللہ اللہ

جو ہیں قبلۂ آرزو و تمنّا
جو ہیں کعبۂ عاشقاں اللہ اللہ

وہ جن کے لئے کُل خُدائی بنی ہے
جو ہیں وجہ کون و مکاں اللہ اللہ

محمدؐ، محمدؐ کے صدقے میں بہزاد
ہے ہر وقت وردِ زباں اللہ اللہ

★

بیاں یزدانی میرٹھی

خواب میں زُلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

ہوں سیہ کار مرے عیب کھُلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھُپالے آجا

صورت لالہ ہے پُر داغ بیاں کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

★

حفیظ تائب

دے تبسم خیرات ماحول کو، ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ
ایک شیریں جھلک، ایک نوریں ڈلک، تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبیؐ

اے نویدِ مسیحا! تری قوم کا حال عیسیٰؑ کی بھیڑوں سے ابتر ہوا
اس کے کمزور اور بے ہنر ہاتھ سے چھین لی چرخ نے برتری یا نبیؐ

کام ہم نے رکھا تیرے افکار سے، تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے غفلت شعار اُمتی یا نبیؐ

دشمنِ جاں ہوا میرا اپنا لہو، میرے اندر عدو میرے باہر عدو
ماجرائے تحیّر ہے پرسیدنی، صورتِ حال ہے دیدنی یا نبیؐ

رُوح ویران ہے آنکھ حیران ہے، ایک بحران تھا ایک بحران ہے
گلشنوں، شہروں، قریوں پہ ہے پرفشاں ایک مکروہ افسردگی یا نبیؐ

سچ مرے دَور میں جُرم ہے عیب ہے، جھوٹ فنِ عظیم آج لاریب ہے
ایک اعزاز ہے جہل و بے رہ روی، ایک آزار ہے آگہی یا نبیؐ

راز داں اس جہاں میں بناؤں کسے، رُوح کے زخم جاکر دکھاؤں کسے
غیر کے سامنے کیوں تماشا بنوں، کیوں کروں دوستوں کو دکھی یا نبیؐ

یا نبیؐ زیست کے تپتے صحرا پہ اب، تیرے اکرام کا ابر برسے گا کب
کب ہری ہوگی شاخِ تمنا مری، کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ

یا نبیؐ اب تو آشوبِ حالات نے، تیری یادوں کے چہرے بھی دُھندلا دیئے
دیکھ لے تیرے تائب کی نغمہ گری، بنتی جاتی ہے نوحہ گری یا نبیؐ

ثروت حسین

مدحتِ ساقیٔ کوثر لکھوں
سوچتا ہوں بھلا کیوں کر لکھوں

سارے عالم کو جزیرہ ٹھہراؤں
ایک انساں کو سمندر لکھوں

کیوں نہ اُس مشعلِ شب تاب کو میں
فکر و احساس کا محور لکھوں

منبعِ مہر و صداقت جانوں
نکہت و نور کا پیکر لکھوں

مختصر یہ کہ میں اُن کو ثروتؔ
نوعِ انساں کا مقدر لکھوں

٭

عبدالکریم ثمر

چشمِ کرم جو آپ کی شاہِ زمن پڑے
کشتِ ثمر پہ سایۂ باغِ عدن پڑے

خود منزلیں متھیں عازمِ طیبہ کی منتظر
راہِ طلب میں سینکڑوں کوہ و دمن پڑے

آنکھوں کے آئینے میں ہیں انوار اس طرح
شبنم پہ ماہتاب کی جیسے کرن پڑے

سالارِ دو جہاں کی عزیمت کہ عمر بھر
بدر و حنین و خیبر و خندق میں رن پڑے

ازبسکہ میرے دل میں تمنا ہے اے ثمر
پہنچوں درِ حضورؐ پہ جیسے بھی بن پڑے

*

بزمِ ہستی میں وقارِ ذی وقاراں آپ ہیں
خسروِ شاہاں زمیں تاجداراں آپ ہیں

آپ کی خاطر ہوئے باغ و چمن آراستہ
باعثِ تزئینِ حسنِ شاخساراں آپ ہیں

آپ ہیں چشم و چراغ [illegible]
طالبِ طورِ مدینہ نورِ فاراں آپ ہیں

آپ ہی کی رحمتیں اکنافِ عالم پر محیط
سروِ رعنا ہیں نسیمِ نوبہاراں آپ ہیں

آپ کا مسلک محبت امن و صلح و آشتی
کارزاروں میں متاعِ جاں نثاراں آپ ہیں

بے نواؤں اور یتیموں کو سہارا آپ کا
سربراہِ خوش نہاداں غمگساراں آپ ہیں

آپ ہی کی ذات ٹھہری فاتحِ بدر و حنین
بزمِ ہستی میں نقیبِ شہسواراں آپ ہیں

*

مولانا محمد علی جوہر

۱

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر لحظہ تشفّی ہے ہر آن تسلّی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں

کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہر روز یہی باتیں

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

۲

تم یونہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے

پیغام ملا تھا جو حسینؓ ابنِ علیؓ کو
خوش ہوں وہی پیغامِ قضا میرے لئے ہے

میں کھو کے تری راہ میں سب دولتِ دُنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں بُرا میرے لئے ہے

★

جوش ملیح آبادی

نگاہِ فطرت کی ضو سے یوں تو ہر ایک ذرّہ جھلک رہا ہے
ہر ایک قوّت اُبھر رہی ہے ہر ایک پودا پھبک رہا ہے

دبے ہیں ذرّات کی تہوں میں ہزار اسرار کے خزانے
ازل سے آغوشِ خار و خس میں کھلے ہیں پھولوں کے کارخانے

جبینِ لیلائے شب ہے روشن رو پہلی قندیل سے قمر کی
سنہری کنگن میں ہنس رہی ہے کلائی دوشیزۂ سحر کی

عطا و انعام کے فرشتے یہاں سدا پیش و پس رہے ہیں
زمیں پہ صبحِ ازل سے ابرِ کرم کے بادل برس رہے ہیں

مگر یہ سب بے شمار تحفے زمیں کو فطرت جو بخشتی ہے
کوئی حقیقی ہے ان میں نعمت تو وہ اک آزاد آدمی ہے

وہ آدمی جس کی تیز نظریں مزاجِ عالم کی رازداں ہیں
وہ آدمی نبض پیچ و تابِ حیات پر جس کی انگلیاں ہیں

وہ آدمی جو شمیمِ گل سے علوم کے پھول چن رہا ہے
وہ آدمی جو ہوا کی رَو میں خدا کا پیغام سُن رہا ہے

اگرچہ نقشِ قدم پر اس کے ازل سے سجدے میں آسماں ہے
مگر غضب تو یہ ہے جہاں میں اُسی سے بے اعتنائیاں ہیں

بہت سے گزرے ہیں یوں تو انساں خرد کی شمعیں جلانے والے
بتوں کی ہیبت اُٹھانے والے خدا کا سکہ بٹھانے والے

مگر عرب کے خموش افق سے کرن وہ پھوٹی رسول بن کر
کہ جتنے ظلمت کے خار و خس تھے دہک اُٹھے سُرخ پھول بن کر

جگر مرادآبادی

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

تو صبحِ ازل آئینۂ حُسنِ ازل بھی
اے صلِّ علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ

اے جان بلب آمدہ، ہشیار، خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ

کچھ کام نہیں اور جگر مجھ کو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

الطاف حسین حالی

(١)

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دوجہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

وہ شاہ جس کا عدو، جیتے جی جہنم میں
عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کے لئے

وہ پھول جس سے ہوئی سعیِ باغباں مشکور
رہی نہ آمد و رفتِ چمن، خزاں کے لئے

گھر اُس کا موردِ قرآں و مہبطِ جبریل
در اُس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لئے

نہ حرف و صورت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لئے

سمایا اُس کا جو نقشِ قدم تصوّر میں
ہجومِ شوق میں بوسے کہاں کہاں کے لئے

حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالی
کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لئے۔

(۲)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگذر کرنے والا   بد اندیش کے دِل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا   قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا   کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا   پلٹ دی بس اِک آن میں اُس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

*

(۳)

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

بگڑی ہے اب ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بابی انت و اُمی
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

کر حق سے دعا اُمتِ مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

اُمت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں پڑا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اُڑتی
وہ خاک ہمارے لئے داروئے شفا ہے

*

حسرت موہانی

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں
پھر پیشِ نظر ہو گئیں جنت کی ہوائیں

اے قافلے والو کہیں وہ گنبدِ خضریٰ
پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقشِ قدم کی
سر پر کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں

نظارہ فروزی کی عجب شان ہے پیدا
یہ شکل و شمائل یہ عبائیں یہ قبائیں

کرتے ہیں عزیزانِ مدینہ کی جو خدمت
حسرت اُنھیں دیتے ہیں وہ سب دل سے دعائیں

٭

حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی

جلوۂ یار اِدھر بھی کوئی رستہ تیرا
حسرتیں آٹھ پہر تکتی ہیں رستا تیرا

کیوں تمنّا مری مایوس ہو اے ابرِ کرم
سوکھے دھانوں کو مددگار ہے چھینٹا تیرا

ہائے پھر خندۂ بیجا مرے لب پر آیا
ہائے پھر بھول گیا راتوں کو رونا تیرا

اچھے اچھے ہیں ترے در کی گدائی کرتے
اونچے اونچوں میں بٹا کرتا ہے صدقا تیرا

خاص بندوں کے تصدّق میں رہائی پاوے
آخر اس کام کا تو ہے یہ نکمّا تیرا

اے مدینے کی ہوا دل مرا افسردہ ہے
سوکھی کلیوں کو کِھلا جاتا ہے جھونکا تیرا

★

حفیظ جالندھری

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سُبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربّانی

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی

تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

اگرچہ فقر و فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظِ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ احمدؐ
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہو نورانی

ترا در ہو مرا سر ہو مرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

*

(۲)

زباں پر اے خوشا صلِ علیٰ یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نام جبریلِ امیں لے کر سلام آیا

محمدؐ جانِ عالم، فخرِ آدم، ہادیِ اکرم
امام الانبیا، خیر البشر، پیغمبرِ اعظم

محمدؐ صاحبِ خلقِ عظیم و ناشرِ حکمت
محمدؐ مصدرِ فیضِ عمیم و شافعِ اُمت

بصورت نورِ سُبحانی بمعنیٰ ظلِ رحمانی
پیامِ زندگانی، مظہرِ تائیدِ ربانی

محمدؐ مصطفیٰ بھی ہے وہ احمد مجتبیٰ بھی ہے
وہ مطلوبِ خلائق بھی، وہ محبوبِ خدا بھی ہے

وہ جس کو فاتحِ ابوابِ اسرارِ قِدم لکھئے
بنائے عرش و کرسی، باعثِ لوح و قلم لکھئے

وہی حاکم بامر اللہ، دردِ آگاہِ محکوماں
درِ حق سے جوابِ باصوابِ آہِ مظلوماں

وہ حاصل، برگزیدہ ہستیوں کی التجاؤں کا
فرشتوں کی تمناؤں، رسولوں کی دعاؤں کا

محمدؐ دیدہ و دل کی تجلی بہرِ مہجوراں
محمدؐ آخری حرفِ تسلی بہرِ مزدوراں

محمدؐ بے کسی کے درد کو پہچاننے والا
سرشکِ گرم و آہِ سرد کو پہچاننے والا

محمدؐ زندہ معبودانِ باطل توڑنے والا
محمدؐ حق سے رشتہ آدمی کا جوڑنے والا

حمید صدیقی لکھنوی

حریم کبریا ہے اور میں ہوں
زباں محوِ دعا ہے اور میں ہوں

کھنچا جاتا ہوں میں بطحا کی جانب
کوئی خود رہنما ہے اور میں ہوں

چلا ہوں جانبِ کعبہ بصد شوق
نبی کا آسرا ہے اور میں ہوں

عجب کچھ جوش پر ہے ابرِ رحمت
سرور افزا گھٹا ہے اور میں ہوں

طوافِ کعبہ ہے وقتِ سحر ہے
نسیمِ دلکشا ہے اور میں ہوں

کہوں کیا دل کی کیفیت کا عالم
نگاہِ آشنا ہے اور میں ہوں

بحمد اللہ کھلا ہے بابِ رحمت
مری آہ رسا ہے اور میں ہوں

حریمِ قدس کا پردہ اُٹھا ہے
دل حیرت زدہ ہے اور میں ہوں

حمیدؔ اب کچھ نہیں ہے یاد مجھ کو
نبی کا تذکرہ ہے اور میں ہوں

(۲)

تڑپ رہا ہے یہ مشتاقِ دید کہہ دینا
درِ نبی پہ سلامِ حمید کہہ دینا

جو حالِ دل ہے وہ اُن پہ ہے بے کہے روشن
زبانِ حال سے بھی کچھ مزید کہہ دینا

اگرچہ تابِ نظارہ نہیں ہے آنکھوں کو
مگر ہے پھر بھی تمنائے دید کہہ دینا

نگاہِ مہر سے روشن ہے آرزوئے دل کی
نہ بجھنے پائے یہ شمعِ اُمید کہہ دینا

حضور آپ کے الطاف پر نظر کر کے
ہے میرے دل کو بہت کچھ اُمید کہہ دینا

بلائیے مرے آقا بلائیے مولا
ہے انتظار کی کلفت شدید کہہ دینا

بعید رہ کے رہوں میں قریب یا حضرت
قریب ہو کے نہ ہوں میں بعید کہہ دینا

*

(۳)

دربارِ نبی کے جلوؤں کی وہ بارشِ رحمت کیا کہیے
وہ صبح کا منظر کیا کہیے وہ شام کا عالم کیا کہیے

وہ جنتِ روح و خلدِ نظر وہ سوز و گداز قلب و نظر
وہ روضۂ اطہر صلِّ علیٰ، وہ نورِ مجسم کیا کہیے

جس وقت تصور کرتا ہوں اک نیند سی آنے لگتی ہے
اے صلِّ علیٰ آرام گہِ سرکارِ دو عالم کیا کہیے

وہ راز و نیاز کی یکسوئی، وہ دل کی حضوری کا عالم
وہ جوشِ تلاوت پچھلے پہر، وہ سورۂ مریم کیا کہیے

وہ وقتِ سحر پھولوں کی مہک شاخوں کی لچک سبزے کی مہک
گلزارِ قبا کے دامن پر کیفیتِ شبنم کیا کہیے

*

عبد الرحمٰن راسخ دہلوی

زہے خیرِ مجسّم غل ہوا جب اُس کی آمد کا
زبانِ ہر صنم پر غلغلہ تھا خیر باشد کا

ہوالاوّل ہوالآخر کا باطن ہو گیا ظاہر
محمدؐ میں یہ گویا وصف ہے میم مشدّد کا

سناؤں نعت اگر تیری تو بت خانہ بنے کعبہ
زبانِ ہر صنم پر زمزمہ ہو اشہد اشہد کا

کھنچی جس وقت چمکی جلوۂ نامِ خدا بن کر
تری شمشیر میں عالم تھا بسم اللہ کی مد کا

فراقِ شاہِ دیں سے تو دۂ سنگِ حوادث ہوں
علاج اچھا ہوا ہے میرے نفسِ واجب الحد کا

عصائے موسوی ایک ایک اُنگلی بن گئی اُن کی
لکیریں اُنگلیوں کی معجزہ تھا جزر کا مد کا

قیامت میں نہ ہو گی بات ہلکی پلڑ بھاری ہے
مرے عصیانِ بے حد سے ترے احسانِ بجد کا

خدا کہتا ہے راسخ رحمۃ للعالمیں جس کو
وہ ضامن سب کے مطلب کا ہے حامی کُل کے مقصد کا

★

شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّا تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے ٹکڑوں پہ پڑے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقا تیرا

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

*

روشِ صدیقی

صاحبِ تاجِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشینِ بزمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

درسِ مروت فرماں اُس کا نوعِ بشر پر احساں اس کا
امن و محبت اُس کی شریعت صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ جبیں انسان کا چمکا فرق مٹا محتاج و غنی کا
ایک ہوئے سرمایہ و محنت صلی اللہ علیہ وسلم

زاہد و عاصی، عارف و عامی سب ہیں درِ اقدس کے سلامی
سب پہ گل افشاں دامنِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

دین میں فیضان ہے اُس کا ذوقِ یقیں احسان ہے اُس کا
اس کے در کی خاک میں حکمت صلی اللہ علیہ وسلم

قربِ الٰہی سنت اُس کی حُسنِ عمل ہے طاعت اُس کی
حاصلِ ایماں، اُس کی محبت صلی اللہ علیہ وسلم

شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں قادری بریلوی

سب سے جدا ہے سب میں شامل نورِ محمد اللہ اللہ
روحِ مجدد جسم کا حامل نورِ محمد اللہ اللہ

اہلِ طلب کا جادۂ اول نام محمد ذکر الٰہی
اہلِ یقیں کی آخری منزل نورِ محمد اللہ اللہ

کون نہ بن جائے پروانہ کون نہ ہو جائے دیوانہ
شمعِ حقیقت، زینتِ محفل نورِ محمد اللہ اللہ

ہادیٔ اعظم، رہبرِ اُمت، شافعِ محشر ذاتِ محمد
چارہ گرِ بے تابیٔ ہر دل نورِ محمد اللہ اللہ

راز یہی اک راز ہے میرا اور یہی دمساز ہے میرا
ہر دم نظروں کے ہے مقابل نورِ محمد اللہ اللہ

٭

ساغر نظامی

حسن سراپا عشقِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
روئے منوّر گیسوئے پُر خم صلی اللہ علیہ وسلم

سوزِ سراپا دردِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم
آنسو تیرے شبنم شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبِ قرآں فخرِ رسولاں خسروِ دین و رحمتِ یزداں
بادۂ عرفاں ساقیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سازِ ازل سے تارِ ابد تک ایک ترنم ایک تلاطم
بربطِ جاری نغمہ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

شوق کا مرجع درد کا مسکن شافعِ اُمّت کیف کا مامن
کیف کا منبع عشق کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

فرش سے تا عرش اُجالا ذرہ ذرہ نور کا ہالا
شمعِ دو عالم مہرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ طبیبِ عالمِ امکاں چارہ گرِ بیماریِ انساں
تو نے رکھا زخموں پہ مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

٭

سحر انصاری

محسنِ انسانیت، فخرِ عرب، فخرِ عجم
یا محمد مصطفیٰ یا ہادی و خیرِ اُمم

حاملِ خُلقِ عظیم و صاحبِ صدق و یقیں
آپ کے قولِ حکیمانہ ہیں اب تک دل نشیں

قلبِ انساں میں جلائی آپ نے وہ شمعِ نُور
جس کا پَرتو مہرِ تاباں جس کا جلوہ رشکِ طور

معبدوں کے زیب و زینت تھے بہت لات و منات
آپ نے انساں کو بخشی لذتِ عرفانِ ذات

قبلۂ اربابِ دانش، کعبۂ اصحابِ دل
آپ کی معراج سے بدلا مزاجِ آب و گِل

دستِ خاکی میں عنانِ بحر و طوفاں آگئی
گردشِ گردوں بھی زیرِ دامِ انساں آگئی

کرامت علی خاں شہیدی

(۱)

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعتِ احمدؐ کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اُس کی آمد آمد کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی گر دور بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھوں
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

ہوئی ہے ہمتِ عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا

تری تعریف سے میری زباں میں آتی ہے تیزی
صفاہاں تک مسخر ہو گا اس تیغِ مہند کا

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

(۲)

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمدؐ
واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمدؐ

ماہِ نوِ شوال سے عاشق کی کماں عید
جب تک نظر آجائے نہ ابروئے محمدؐ

کس وضع اُٹھائے ہوئے ہیں بارِ دو عالم
ظاہر میں تو نازک سے ہیں بازوئے محمدؐ

تھا بیش بہا عشق کے بازار میں یوسف
پر ہو نہ سکا سنگِ ترازوئے محمدؐ

رضواں کے لئے لے چلو سوغاتِ شہیدی
گر ہاتھ لگے خار و خسِ کوئے محمدؐ

غلام امام شہید

جب سے ہوا وہ گُل چمن آرائے مدینہ
جبریل بنا بلبلِ شیدائے مدینہ

سینہ ہے مرا رو کشِ صحرائے مدینہ
دل ہے جرسِ محملِ لیلائے مدینہ

واں کے در و دیوار مرے پیشِ نظر ہیں
اندھیر ہو گر آنکھ سے چھپ جائے مدینہ

ہر سنگ میں واں کے شررِ طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہیے یدِ بیضائے مدینہ

قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں اُس کو جو دیکھ آئے مدینہ

★

شفیق کوٹی

ارم مدینے میں باغِ جناں مدینے میں
ہر ایک چیز ہے جنت نشاں مدینے میں

زمیں پہ کیوں نہ جھکے آسماں مدینے میں
ہیں محوِ خواب شہِ دو جہاں مدینے میں

جہانِ کفر و ضلالت میں پڑ گیا لرزہ
ہوئی بلند جو پہلی اذاں مدینے میں

سرِ نیاز کے سجدوں کو کیا کروں یارب
جبینِ شوق یہاں آستاں مدینے میں

قدم قدم پہ مسلسل ہے رحمتوں کا نزول
علائقِ غمِ ہستی کہاں مدینے میں

غمِ حیات، غمِ آخرت، غمِ کونین
میں بھول جاؤں گا سب بے گماں مدینے میں

★

شارق ایرانی

پر خدا کی رحمت اے عازمِ مدینہ   نورِ محمدی سے روشن ہو تیرا سینہ
جب ساحلِ عرب پہ پہنچے ترا سفینہ   اس وقت سر جھکا کر بندہ با قرینہ

سلطانِ انبیاء سے میرا سلام کہنا
محبوبِ کبریا سے میرا سلام کہنا

ساحل پہ آتے آتے موجوں کو چوم لینا   موجوں کے بعد دلکش ذرّوں کو چوم لینا
اس پاک سرزمین کی راہوں کو چوم لینا   پھولوں کو چوم لینا کانٹوں کو چوم لینا

پھر نورِ والضحیٰ سے میرا سلام کہنا
محبوبِ کبریا سے میرا سلام کہنا

ہو جانبِ مدینہ جب کارواں روانہ   صلِّ علیٰ محمد کا لب پہ ہو ترانہ
وردِ زباں ہوں جس دم اشعار عاشقانہ   جب رحمتِ خدا کا لٹنے لگے خزانہ

سرچشمۂ عطا سے میرا سلام کہنا
محبوبِ کبریا سے میرا سلام کہنا

با صد ادب یہ کہنا اے ہادیٔ مکرم   اے شفقتِ مکمل اے رحمتِ مجسم
تیری نظر پہ قرباں ہر دو عالم   شارق غریب شارق یہ کہہ رہا تھا پیہم

سردارِ دوسرا سے میرا سلام کہنا
محبوبِ کبریا سے میرا سلام کہنا

شاعر لکھنوی

عجب سی کیف عجب ہے خمار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے نبیؐ کا دیار آنکھوں میں

جو آئی یادِ مدینہ تو آنسوؤں کی طرح
چھپا لیا ہے اُسے بے قرار آنکھوں میں

کھڑے ہوئے ہیں ترے در پہ تیرے دیوانے
وفا کی نذر لئے اشکبار آنکھوں میں

قسم خدا کی مدینہ جنھوں نے دیکھا ہے
میں ڈھونڈ لوں گا وہ آنکھیں ہزار آنکھوں میں

تصورات میں طیبہ ہے روبرو شاعرؔ
رچی ہوئی ہے مجسّم بہار آنکھوں میں

٭

شہزاد احمد

جہانِ ہاؤ ہُو میں سب تماشے ایک جیسے ہیں
مجھے رستہ دکھا مولا کہ رستے ایک جیسے ہیں

کبھی تیری شریعت کی ضرورت کم نہیں ہو گی
جہاں میں آدمیت کے تقاضے ایک جیسے ہیں

جو انساں ہے وہ تیرے ارتقا کا ہو چکا قائل
جو پتھر ہے اُسے سارے زمانے ایک جیسے ہیں

جسے انسان کہتے ہیں فقط انساں کا حصّہ ہے
زمین و آسماں دونوں ازل سے ایک جیسے ہیں

خدا نے کر دیا سردار تجھ کو سارے نبیوں کا
ہے اک سورج جُدا باقی ستارے ایک جیسے ہیں

ملی جبریل کو بھی سرفرازی تیری قُربت سے
وگرنہ فرق کیا ہے سب فرشتے ایک جیسے ہیں

جو تیری یاد میں گزرے وہی پل زندگی ٹھہرے
بظاہر ساری گھڑیاں سارے لمحے ایک جیسے ہیں

الگ رہنے کی خواہش دوسروں سے کس طرح کیجے
درختوں پر ہری شاخوں کے پتے ایک جیسے ہیں

حقوقِ آدمیت میں کوئی تفریق ناممکن
وہ منصف ہے اُسے اپنے پرائے ایک جیسے ہیں

مجھے شہزاد اُس کی آرزو ہے جس کی برکت سے
سروں پر رحمتِ یزداں کے سائے ایک جیسے ہیں

اقبال حسین شوقی

نگارِ کیف و مستی جلوہ ساماں ہے جہاں میں ہوں
بہارِ عشق صد لالہ بداماں ہے جہاں میں ہوں

جمالِ روئے تاباں آفتِ جاں ہے جہاں میں ہوں
ہراک شے صورتِ آئینہ حیراں ہے جہاں میں ہوں

دلِ بیتاب پر لطفِ فراواں ہے جہاں میں ہوں
ہر اشک اک قطرہ گوہر بداماں ہے جہاں میں ہوں

چٹک اُٹھا ہے بوئے مشک سے ہر غنچۂ خاطر
نسیم زلفِ جاناں عنبر افشاں ہے جہاں میں ہوں

متاعِ عقل و ہوش و آگہی کی خیر ہو یا رب
چراغِ طور فانوس شبستاں ہے جہاں میں ہوں

ہراک جانب بکھرا ہے نغمہ صلِّ علیٰ شوقی
ہراک وصف محمدؐ کا ثنا خواں ہے جہاں میں ہوں

ضیاء القادری بدایونی

تم ہو عرش کی زینت والے تم پر لاکھوں سلام
تم ہو تاجِ شفاعت والے تم پر لاکھوں سلام
تم ہو مہرِ نبوت والے تم پر لاکھوں سلام
تم ہو حسن کی دولت والے تم پر لاکھوں سلام
تم ہو چاند سی صورت والے تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

تم ہو عرش بریں کے تارے تم ہو آمنہ کے مہ پارے
تم ہو خلق کے راج دلارے تم ہو اپنے خدا کے پیارے
تم ہو ناز و نزاکت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

سب سے نور تمہارا اول سب سے ذات تمہاری افضل
سب سے دین تمہارا اکمل تم نے کفر میں ڈالی ہلچل
تم ہو حق و صداقت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

تم ہو مونس و محسن و ہمدم تم ہو احسن و اجمل و اکرم
تم ہو فخرِ خلیل و آدم تم ہو شاہ و رحمتِ عالم
تم ہو بخشش امت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

تم ہو مطلع نورِ الٰہی تم ہو رحمت نامتناہی
تم پر ختم خدا آگاہی تم پر شایاں شوکت شاہی
تم ہو ملک و حکومت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

ہم ہیں مجرم ہم ناکارے ہم ہیں حشر میں خوف کے مارے
ہم ہیں مولا گھاٹ کنارے تم ہو ناؤ کے کھیون ہارے
تم ہو قلزم رحمت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

شاہا خلق کی حالت دیکھو مولا کفر کی طاقت دیکھو
ہم سے سب کی عداوت دیکھو، دیکھو جانبِ اُمت دیکھو
تم ہو رحمت و رفعت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

شاہا بہرِ اعانت آؤ لے کر پرچم نصرت آؤ
دیکھو حالتِ اُمت آؤ، آؤ آؤ بعجلت آؤ
تم ہو سرِ دمروت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

بھر دو نور سے میرا سینہ کر دو قلب مرا آئینہ
مجھ کو دو بھر اب ہے جینا شاہا ہوں مشتاق مدینہ
تم ہو سب کی حمایت والے تم ہو چاند سی صورت والے
تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں تم پر لاکھوں سلام

*

مولانا ظفر علی خاں

(۱)

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے
اس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمہیں تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اُولیٰ تمہیں تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہیں تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہیں تو ہو

٭

(۲)

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر
وحدت کی تجلّی کوند گئی آفاق کے سینہ زاروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نُور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھُل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

ہم حق کے علمبرداروں کا ہے اب بھی نرالا ٹھاٹھ وہی
بادل کی گرج تکبیروں میں بجلی کی تڑپ تلواروں میں

*

سراج الدین ظفر

سبوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح
کوئی شراب نہیں عشقِ مصطفےٰ کی طرح

وہ جس کے لطف سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیمِ گرہ کشا کی طرح

طلسمِ جاں میں وہ آئینہ دارِ محبوبی
حریمِ عرش میں وہ یارِ آشنا کی طرح

وہ عرش و فرش و زمان و مکاں کا نقشِ مراد
وہ ابتدا کے مطابق وہ انتہا کی طرح

اُسی کے حسنِ سماعت کی تھی کرامتِ خاص
وہ اِک کتاب کہ ہے نسخۂ شفا کی طرح

بغیر عشقِ محمد کسی سے کھل نہ سکے
رموزِ ذات کہ ہیں گیسوئے دوتا کی طرح

ریاضِ مدحِ رسالت میں راہوارِ غزل
چلا ہے رقص کناں آہوئے صبا کی طرح

جمالِ روئے محمدؐ کی تابشوں سے ظفر
دماغ رند ہوا عرشِ بے ریا کی طرح

*

غلام مصطفےٰ عشقی

وصف محبوب خدا کا جو رقم ہوتا ہے
سر سجدہ پہ بتعظیم قلم ہوتا ہے

اُن کا جو بندۂ بے دام و درم ہوتا ہے
وہی سلطانِ عرب شاہِ عجم ہوتا ہے

اشک افشاں جو مرا دیدۂ نم ہوتا ہے
درد و غم دل کا ذرا مجھ سے کم ہوتا ہے

جلوہ گر دل میں جو محبوبِ خدا ہوتے ہیں
خانۂ دل یہ مرا بیتِ حرم ہوتا ہے

غم، غمِ عشق سے بہتر نہیں کوئی عشقی
روح خوش ہوتی ہے جب دل پہ یہ غم ہوتا ہے

٭

عبدالعزیز خالد

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے
میں سانسوں کا مہماں ہوں تو میرج ہوا ہے

شہنشاہِ لولاک و مولائے سدرہ
تو میرے تخیّل سے بھی ماروا ہے

تری ذات فخرِ بنی نوعِ انساں
توسّل علی خیرِ خلقِ خدا ہے

وقارِ سکوت اور حُسنِ تکلّم
تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے

چلے تو تو خوشبو چلے آگے آگے
بدستِ صبا مجمر عالیہ ہے

تو دلجوئی و غم گساری کا پیکر
تو خیرالبشر اشرف الانبیا ہے

طبیعت میں دل سوزی و دل نوازی
تو دلگیر کے دردِ دل کی دوا ہے

تو کرتا ہے توقیر و تکریمِ مہماں
تو بے برگ و نادار کا آسرا ہے

وکیل و کفیل و مہماتِ عالم
تو سیّاحِ دشتِ ورائے الورا ہے

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے
تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے

عاصی کرنالی

سلام اس پہ جو ظلمت میں مثالِ آفتاب آیا
سلام اس پہ رُخِ کونین پر جس سے شباب آیا

سلام اس پہ جو دریا بن کے اُمڈا دشتِ ویراں سے
سلام اس پہ جو بادل بن کے اٹھا کوہِ فاراں سے

سلام اس پہ کہ جس کی ہر نظر فیضان ہوتی تھی
سلام اس پہ کہ جس کی ہر ادا قرآن ہوتی تھی

سلام اس پہ کہ جس کا ہر تکلم سلکِ گوہر تھا
سلام اس پہ کہ جس کا ہر تبسم موجِ کوثر تھا

سلام اس پہ نفس سے جس کے بادِ خوشگوار آئی
سلام اس پہ کہ جس کے مسکرانے سے بہار آئی

سلام اس پہ تھی دولت ہیچ جس کی چشمِ اطہر میں
سلام اس پہ کہ تاجِ قیصری تھا جس کی ٹھوکر میں

سلام اس پہ لگایا دشمنوں کو جس نے سینے سے
سلام اس پہ کیے ہیں صاف سینے جس نے کینے نے

سلام اس پہ کہ جس نے کاٹ ڈالے طوق بندوں کے
سلام اس پہ کہ آنسو جس نے پونچھے دردمندوں کے

سلام اس پہ کہ جس نے مور کو شانِ سلیماں دی
سلام اس پہ کہ ہر قطرے کو جس نے نبضِ طوفاں دی

سلام اس پہ کہ جس کی زندگی معراجِ آدم ہے
سلام اس پہ کہ جس کا فقر سلطانِ دو عالم ہے

سلام اس پہ بشر کا بول بالا کر دیا جس نے
سلام اس پہ ہمیں اللہ والا کر دیا جس نے

عارف عبدالمتین

(۱)

تری حدیث ترے روبرو سناؤں تجھے
یہ آرزو ہے کبھی آئنہ دکھاؤں تجھے

میں اپنی ذات کا غارِ حرا کروں تعمیر
بصد نیاز و عقیدت وہاں بلاؤں تجھے

مرا وقار بھی تو ہو مری پناہ بھی تو
میں خود زمین بنوں آسماں بناؤں تجھے

مرے لئے تو تری یاد بھی محال ہوئی
کہ یاد کے لئے لازم ہے بھول جاؤں تجھے

غمِ جہاں، غمِ جاں اور غمِ ورائے جہاں
میں کون کون سا زخمِ نہاں دکھاؤں تجھے

برس رہی ہے ترے رُخ کی چاندنی مجھ پر
قریب آ کے میں سینے سے بھی لگاؤں تجھے

تو مجھ سے روٹھ مگر روٹھنے سے پہلے بتا
تو روٹھ جائے تو میں کس طرح مناؤں تجھے

یہ میرا شوق کہ میں تجھ کو برملا دیکھوں
یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھے

کہاں کہاں مجھے تیرے کرم کی حاجت ہے
تو جانتا ہے تو میں کس لئے سمجھاؤں تجھے

(۲)

میں ڈھلا نور کے ہر سانچے میں ڈھالے سے ترے
جان و دل سروِ چراغاں ہیں اُجالے سے ترے!

تیرے رشتوں کی نہایت میں ازل اور ابد
میں ہر اک عہد میں جیتا ہوں حوالے سے ترے!

خود بھی گرتا ہوں، گراتا ہے زمانہ بھی مجھے
میں سنبھلتا ہوں فقط ایک سنبھالے سے ترے!

بارِ گیتی تو اُٹھا رکھا ہے، پر تیرے حضور
آنکھ اٹھائی نہیں جاتی ہے، جیالے سے ترے!

تیرا آغوشِ محبت ہے جہانوں پہ محیط
تیری محفل سے گیا کون نکالے سے ترے!

اس کے ہونٹوں کی تمنا نہ رہا آبِ حیات
جس نے اک گھونٹ بھی چکھا ہے پیالے سے ترے!

لب بیٔے گوشِ بر آواز ہیں یہ ارض و سما
بات کرنے کے یہ انداز نرالے سے ترے!

فیض الحسن فیض سہارنپوری

ترا رتبہ ہے یا احمد مقامِ اللہ اکبر کا
تری رتبہ شناسی رتبہ ہے بیچون داور کا

وہ طوبیٰ جس کا چرچا ہے ستوں ہے تیری مسجد کا
وہ جنت جس کی شہرت ہے نمونہ ہے ترے گھر کا

تمنا ہے کہ اک اک بال کی سو سو بلائیں لوں
جو نقشہ ہاتھ آجائے تری زلفِ معنبر کا

تمنا ہے کہ کانٹوں پر ترے صحرا کے جا لوٹوں
رگِ مجنوں کو پھر سودا ہوا ہے نوکِ نشتر کا

ہمیں رونے سے کیا نسبت مگر جب تیرا نام آئے
تو کچھ نقشہ بدل جاتا ہے اپنے دیدۂ تر کا

بُرا ہوں یا بھلا ہوں خیر جیسا ہوں تمہارا ہوں
طریقہ ہے کریموں کا نباہنا اپنے چاکر کا

وہ ضعف ناتوانی ہے کہ مُرغِ نیم بسمل بھی
یہ کہتا ہے چلو دیکھیں تماشا فیض مضطر کا

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

فاران کی چوٹی پر چمکا خورشید رسالت کیا کہنا
ایمان کی کرنوں سے پھیلی ہر سمت حرارت کیا کہنا

وہ عین جمالِ حسنِ ازل نکھرا ہے بہ شکلِ ختمِ رُسل
روشن ہیں عرب کے دشت و جبل یہ نور کی کثرت کیا کہنا

وہ عالم ہُو، جلوؤں میں عُلو، غنچوں میں بُو ہر شے میں نُمو
شبنم سے کیا جاتا ہے وضو، یہ بارشِ رحمت کیا کہنا

جلوؤں کے یہ کس کے پائی جھلک سجدے میں گرے سب جن و ملک
شاداں ہے زمیں حیراں ہے فلک انسان کی قسمت کیا کہنا

وہ منبعِ نور و صدق و صفا وہ مخزنِ لطف و جود و عطا
بٹتی ہے جہاں ہر صبح و مسا ایمان کی دولت کیا کہنا

وہ نورِ ہدیٰ محبوب خدا حق جن پہ فدا جو حق پہ فدا
وہ محفلِ نازو حُسن و ادا وہ گرمیِ اُلفت کیا کہنا

اے کاش کہیں فرمانؔ حزیں رکھ پائے درِ مولا پہ جبیں
پھر نعت کی کثرت کیا کہنا اشعار کی لذّت کیا کہنا

٭

محمد عالمگیر خاں کیف ٹونکی

درِ نبی پر پڑا رہوں گا، پڑے ہی رہنے میں کام ہوگا
کبھی تو قسمت کھُلے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

خلافِ معشوق کچھ ہوا ہے نہ کوئی عاشق سے کام ہوگا
خدا بھی ہوگا اُدھر ہی اے دل جدھر وہ عالی مقام ہوگا

کیے ہی جاؤں گا عرضِ مطلب ملے گا جب تک دل کا مطلب
نہ شامِ مطلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا

جو دل سے ہے مائلِ پیمبر، یہ اُس کی پہچان ہے مقرر
کہ ہر دم اس بے نوا کے لب پر درود ہوگا سلام ہوگا

اسی توقع پہ جی رہا ہوں یہی تمنا جلا رہی ہے
نگاہِ لطف و کرم نہ ہوگی، تو مجھ کو جینا حرام ہوگا

ہوئی جو کوثر پہ باریابی تو کیفؔ کی تیرے دھج یہ ہوگی
بغل میں مینا، نظر میں ساقی خوشی سے ہاتھوں میں جام ہوگا

٭

چودھری دلو رام کوثری

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا
کہ مصروف شیریں بیانی میں رکھا

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر
قمر کو مری پاسبانی میں رکھا

درِ مصطفیٰؐ کی ملے گر گدائی
تو پھر کیا ہے صاحبقرانی میں رکھا

جو ذرّہ اڑا شہ کی گردِ قدم کا
زمانے نے تاجِ کیانی میں رکھا

نہ کر آفتابِ فلک اتنا غرّہ
کہ تجھ کو بھی ہے دارِ فانی میں رکھا

درِ حضرتِ مصطفیٰؐ مجھ کو بخشا
تجھے منزلِ آسمانی میں رکھا

تو ہے دربدر گردشِ آسماں سے
مجھے حلقۂ مہربانی میں رکھا

نہ کر شور اے بلبلِ گل فسانہ
ہے کیا تیری اس لن ترانی میں رکھا

میں ہوں نعت گو میرا رتبہ بڑا ہے
نہیں کچھ تری ہم زبانی میں رکھا

مرے منہ سے منظور تھی نعتِ حضرت
مجھے فردِ رطب اللسانی میں رکھا

ذرا نقشۂ نعت کا کر نظارہ
ہے کیا نقشِ بہزاد و مانی میں رکھا

بہارِ ریاضِ ثنائے نبی نے
دہن کو مری گل فشانی میں رکھا

لکھیں کوثری عمر بھر میں نے نعتیں
نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

*

قاضی نذرُالاسلام

مترجمہ افسرؔ ماہ پوری

میرے مانجھی لئے چل مدینے مجھے

میرا مُرشد ہے تو اور مرا راہ بر
میں ہوں اس راہ سے آج تک بے خبر
احمدِ مصطفیٰؐ رحمتِ دو جہاں
میرے مانجھی وہ سوئے ہوئے ہیں وہاں
اب نہ ہوگا وہ دیدار روئے حسین
جان بچ جائے میری یہ ممکن نہیں
دیگر زاروں میں گر کوئی دریا نہیں
غم نہ کر اس سے رُکتا ہے رستا کہیں
اس قدر روؤں گا بہہ چلے گی ندی
راہ آسان ہو جائے گی ناؤ کی
اپنے چہرے پہ خاکِ مدینہ ملوں
اور اپنے محمدؐ کا کلمہ طیبہ پڑھوں
میری آنکھیں ہوں اور آنسوؤں کی جھڑی
جیسے تھیں کربلا میں سکینہ کبھی

میرے مانجھی لئے چل مدینے مجھے

*

سیّد عبدالغنی شاہ قیصر وارثی مرادآبادی

اے صلِّ علیٰ محبوبِ خدا ترے حسن و ادا کا کیا کہنا
سب حور و ملک قرباں تجھ پر اس شانِ خدا کا کیا کہنا

یہ شام و سحر یہ مہر و قمر یہ غنچہ و گل ذرّے تارے
قرباں ہیں سب تیرے رُخ پر اس نور و ضیا کا کیا کہنا

بخشندۂ تخت و تاج مگر خود خاک نشین کملی اوڑھے
اے شاہِ دو عالم اس سادہ انداز و ادا کا کیا کہنا

فاقے یہ فاقے اس گھر میں جس گھر میں خدائی لٹتی ہو
اس شانِ تحمّل کے صدقے اس صبر و رضا کا کیا کہنا

جب سے ترا دامن تھام لیا محتاج کبھی قیصرؔ نہ رہا
جو مانگا وہ تو نے اُس کو دیا اس لطف و عطا کا کیا کہنا

★

ثقلین احمد مُنوّر بدایونی

ہر دل کی تسلّی بھی ہے، ہر غم کی دوا بھی
کیا چیز ہے مولا تیری خاکِ کفِ پا بھی

ہونے کو تو ہوگی دلِ مضطر کی دَوا بھی
اکسیر ہے لیکن تیرے دامن کی ہَوا بھی

لب پر ہے تیرا نام تو کیا اور طلب ہو
اے صلِّ علیٰ یہ تو دوا بھی ہے دُعا بھی

مَیں تم سے وہ کہتا ہوں جو کہتا ہے خدا سے
جب تم مری سُن لوگے تو سُن لے گا خدا بھی

جب دل میں وہ جلوے ہوں تو دنیا ہے منوّر
جینے کی غرض ہے کوئی جینے کے سوا بھی

٭

ماہرالقادری

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابو سفیانؓ کو جس نے اماں دے دی

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ جس نے کھول دیں مشکیں اسیروں کی

سلام اس پر کہ تھا الفقر فخری جس کا سرمایا
سلام اس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایا

☆

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"

سلام اس پر شکستیں جس نے دینِ باطل کی فوجوں کو
سلام اس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو

سلام اس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا

سلام اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

درود اس پر تبسم جس کا گُل کے مُسکرانے میں
درود اس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں

درود اس پر کہ جس کا تذکرہ عینِ عبادت ہے
درود اس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے

درود اس پر کہ جو تھا صدرِ محفل پاک بازوں میں
درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اس پر جسے شمع شبستانِ ازل کہیئے
درود اس پر ابد کی بزم کا جن کو کنول کہیئے

درود اس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہیئے
درود اس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیئے

رسولِ مجتبیٰ کہیئے محمد مصطفیٰ کہیئے
وہ جس کو ہادیٔ "دع ما کدر، خذ ما صفا" کہیئے

درود اس پر کہ جو ماہر کی اُمیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

محشر رسول نگری

دیباچۂ نجات ہے سنت رسول کی سرمایۂ حیات ہے حکمت رسول کی
فرقانِ خیر و شر ہے نبوت رسول کی ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول کی
اس سے حیات کا کوئی گوشہ بچا نہیں
دنیا میں اور کوئی رہِ ارتقا نہیں

قرآں کی جیتی جاگتی تصویر ہے یہی ہر شعبۂ حیات کی تفسیر ہے یہی
اک زندہ شرح آیۂ تسخیر ہے یہی تمہیدِ انقلابِ جہانگیر ہے یہی
عرفانِ حق کا اوّل و آخر یہی تو ہے
اس باطنِ حیات کا ظاہر یہی تو ہے

اہلِ فنا کے واسطے آبِ بقا ہے یہ شیرازہ بند عالمِ عشق و رضا ہے یہ
باطل کی ظلمتوں میں چراغِ ہدیٰ ہے یہ مشکل کسی طرح کی ہو مشکل کشا ہے یہ
مغرب کا ہر نظامِ عمل بے ثبات ہے
سُن لو کہ عصرِ نو کی اسی میں نجات ہے

*

منظور حسین شور

گفتگو کا راز کیا، تخئیل کی آواز کیا
بامِ عرفانِ نبی پر عقل کی پرواز کیا،

وہ رسولِ دوسرا وہ تاجدارِ بحر و بر
جس کے قدموں پہ جھکا تھا قیصر و کسریٰ کا سر
لوٹتے ہیں جس کے قدموں میں شہنشاہوں کے تاج
لیتی ہے جس کی فقیری تاجداری سے خراج

وہ یتیموں کا سہارا وہ غریبوں کی پناہ
نطق جس کا بندگی جس کا تنفس لا الٰہ
جاں نوازی جس کی طینت دوستی جس کا خمیر
جس نے ارزانی کیا اولادِ آدم کو ضمیر

وہ نبی، وہ امتِ بیمار کا تیماردار
زندگی کی دھوپ میں وہ سایۂ پروردگار
رحمت اللعالمیں بن کر جو آیا وہ رسول
آدمی کو آدمی جس نے بنایا وہ رسول

مظہرِ ذاتِ خدا، خیر الوریٰ، خیر الانام
بے وضو لیتے نہیں روح الامیں بھی جس کا نام
فلسفہ ہے جس کے فیضِ ہوش کا دریوزہ گر
جس کے بامِ معرفت پر عقل کے جلتے ہیں پر

خاک ہو جس کا نشیمن عرش ہو جس کا مقام
اس کی شاہی کو سلام اس کی فقیری کو سلام!

★

مظہر عرفانی

جب توجہ مرے سرکار نے فرمائی ہے
یا محمدؐ کی صدا دل سے مرے آئی ہے

اُن کے قدموں پہ تصوّر میں تڑپتی ہے طلب
کتنا بے تاب مرا ذوقِ جبیں سائی ہے

ہم سمجھتے ہیں اسے گنبدِ خضریٰ کا جمال
لوگ کہتے ہیں گلستاں میں بہار آئی ہے

اب نہ آئے گا کوئی صاحبِ معراج یہاں
اے مشیت، یہ تری آخری انگڑائی ہے

شوقِ پابندیِ آداب پہ ہنسنے والو
یہ ہے نادانی تو نادانی بھی دانائی ہے

ہم درِ ختمِ رُسل سے نہ پھریں گے مظہر
ہم نے [illegible]بِ عقیدت کی قسم کھائی ہے

★

خوشی محمد ناظر

سلام اُس پر جو بن کر رحمت اللعالمین آیا
علمبردارِ حق بن کر سپہ سالارِ دیں آیا
سلام اس پر کہ دنیا میں اُخوت کی بنا ڈالی
تمیز بندہ و آقا زمانے سے مٹا ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کی تلافی زیردستی کی
یتیموں اور بیواؤں کی جس نے سرپرستی کی
سلام اس پر کہ عبدیت بھی جس پر ناز کرتی ہے
ثریا سے پرے انسانیت پرواز کرتی ہے
سلام اُس پر کہ آدابِ معیشت جس نے سکھلائے
سلام اُس پر قوانینِ سیاست جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس کا نام روشن ہے امامت میں
صداقت میں شجاعت میں شرافت میں دیانت میں
سلام اُس ماہِ کامل پر کہ پرتو چار ہیں جس کے
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ یار ہیں جس کے
سلام اُس پر کہ دینِ حق مکمل کر دیا جس نے
جہاں سارا خدا کی نعمتوں سے بھر دیا جس نے
سلام اُس پر قیامت تک نبوت جس کی جاری ہے
رہینِ منتِ فیضانِ دنیا جس کی ساری ہے

منیر واسطی

تری جالیوں سے پرے کبھی جو نگاہِ شوق نکل گئی
تری جلوہ گاہِ جمال میں ترے آستاں پہ مچل گئی

یونہی رات عمرِ عزیز کی ترے انتظار میں ڈھل گئی
مری شمعِ محفلِ آرزو کبھی جل گئی کبھی بجھ گئی

ترے کوئے ناز سے شور اٹھا کہ اک اور غمزۂ دلربا
تری تیغِ حسنِ جہانستاں جو گلوئے عشق پہ چل گئی

کشش نظامِ دل و نظر تری چشمِ لطف و کرم سے ہے
جو تری نگاہ بدل گئی تو ہر اک نگاہ بدل گئی

کوئی نذر کام نہ آسکی، تری بارگاہِ قبول میں
مگر اک فغانِ دلِ حزیں جو غزل کے روپ میں ڈھل گئی

*

وحشت کلکتوی

سوادِ عرشِ اعظم ہے جلو خانہ محمدؐ کا
کلام اللہ ہے دراصل افسانہ محمدؐ کا

نہ ہر دل لائقِ الفت، نہ ہر سر قابلِ سودا
وہ خوش قسمت ہے جو ہوتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

مئے عشقِ احد سے بزمِ احمدیوں ہوئی روشن
کہ لبریز مئے عرفاں ہے پیمانہ محمدؐ کا

جسے دیکھو وہ ہے جامِ مئے توحید سے سرخوش
سرور افزائے بزمِ دل ہے میخانہ محمدؐ کا

چراغِ طور کا پروانہ ہو کر رہ گئے موسیٰ
چراغِ طور خود ہوتا ہے پروانہ محمدؐ کا

حدیثِ دلپذیر افسونِ تسکینِ زمانہ ہے
زبانِ خلق پر جاری ہے افسانہ محمدؐ کا

کسی کا چل سکا جادو نہ طبعِ وحشت آگیں پہ
خدا کا شکر ہے وحشت ہے دیوانہ محمدؐ کا

وحید ہسوی

یا نبی جلوۂ پر نور دکھایا ہوتا
کوئی دن مجھ کو مدینے میں بلایا ہوتا

سوختہ دل ہوں کلیجہ مرا ٹھنڈا ہوتا
شجرِ روضۂ اقدس کا جو سایا ہوتا

طائرِ دل مرا وحشی تھا خدایا اس کو
دامِ گیسوئے محمدؐ میں پھنسایا ہوتا

سرد ہوتا مرا دل آتشِ ہجراں سے تبھی
دو گھڑی ہجرِ پیمبر میں رُلایا ہوتا

رات دن روضۂ اقدس کا نظارہ کرتا
کوئی گھر رہنے کو یثرب میں جو پایا ہوتا

دید کا اُس کی ہے مشتاق وحیدِ محزوں
ہند سے اُس کو مدینے میں بلایا ہوتا

یوسف ظفر

حاملِ قرآں، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
شاہِ عرب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ظاہر و باطن نور کا مامن ظاہر افشاں باطن قرآں
دہر میں وہ اللہ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

عصمت و عفت کا رکھوالا درسِ اخوت دینے والا
عظمت کے اسرار کا حامل صلی اللہ علیہ وسلم

بےکس و ناکس کا وہ حامی رحمتِ ایزد کا وہ پیامی
بارگہ حق میں ہے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لاکھوں سلام اے ہادیِ برحق امت پھر محتاج ہے تیری
جس کی زباں پر اب بھی ہے ہردم صلی اللہ علیہ وسلم

مطبوعاتِ فرمانؔ فتح پوری

۱۔ تدریس اردو۔ ۱۹۶۳ء۔ ۱۹۷۲ء۔ ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۹۰ء

۲۔ اردو رباعی کا فنی اور تاریخی ارتقاء۔ ۱۹۶۳ء ۱۹۸۲ء

۳۔ تحقیق و تنقید۔ ۱۹۶۳ء۔ ۱۹۷۷ء دہلی ۱۹۷۸ء

۴۔ اردو کی منظوم داستانیں۔ ۱۹۷۰ء

۵۔ غالب شاعر امروز فردا۔ ۱۹۷۰ء

۶۔ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری۔ ۱۹۷۲ء

۷۔ نیا اور پرانا ادب۔ ۱۹۷۲ء

۸۔ دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی جائزہ۔ ۱۹۷۲ء

۹۔ نواب مرزا شوق کی مثنویات۔ ۱۹۷۲ء

۱۰۔ زبان اور اردو زبان۔ ۱۹۷۳ء ۱۹۷۶ء

۱۱۔ قمر زمانی بیگم۔ ۱۹۷۲ء۔ ۱۹۷۹ء ۱۹۸۰ء

۱۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ۱۹۷۴ء ۱۹۸۰ء

۱۳۔ ارمغان گوکل پرشاد۔ ۱۹۷۵ء

۱۴۔ تحریک پاکستان اور قائد اعظم۔ ۱۹۷۶ء۔ ۱۹۸۱ء

۱۵۔ ڈاکٹر محمود حسین شخصیت اور کارنامے۔ ۱۹۷۶ء

۱۶۔ میر انیس حیات اور شاعری۔ ۱۹۷۶ء

۱۷۔ مولانا حسرت موہانی شخصیت اور فن۔ ۱۹۷۷ء

۱۸۔ ہندی اردو تنازع۔ ۱۹۷۷ء۔ ۱۹۸۸ء

۱۹۔ اردو املا اردو رسم الخط۔ ۱۹۷۷ء ۱۹۸۰ء ۱۹۹۳ء

۲۰۔ اقبال سب کے لئے۔ ۱۹۷۸ء دہلی ۱۹۸۰ء

۲۱۔ تاویل و تعبیر۔ ۱۹۸۰ء۔ ۱۹۸۳ء

۲۲۔ سر سید آن دی پریزنٹ اسٹیٹ پالیٹکس۔ ۱۹۸۲ء

۲۳۔ اردو افسانہ اور افسانہ نگار۔ ۱۹۸۲ء ۱۹۸۳ء

۲۴۔ دید و بازدید (سفر نامہ)۔ ۱۹۸۲ء

۲۵۔ خطبات محمود۔ ۱۹۸۳ء

۲۶۔ فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت۔ ۱۹۸۳ء

۲۷۔ نیاز فتح پوری شخصیت اور فکر و فن۔ ۱۹۸۶ء

۲۸۔ پاکستان موومنٹ اینڈ ہندی اردو کانفلیکٹ۔ ۱۹۸۶ء

۲۹۔ اردو کا افسانوی ادب۔ ۱۹۸۸ء

۳۰۔ اردو کی ظریفانہ شاعری اور اسکے نمائندے۔ ۱۹۸۸ء

۳۱۔ مولانا جوہر حیات اور کارنامے۔ ۱۹۸۸ء

۳۲۔ اردو نثر کا فنی ارتقاء۔ ۱۹۹۰ء دہلی ۱۹۹۳ء

۳۳۔ اردو شاعری کا فنی ارتقاء۔ ۱۹۹۰ء دہلی ۱۹۹۳ء

۳۴۔ اردو کی بہترین مثنویاں۔ ۱۹۹۰ء

۳۵۔ نیاز فتح پوری دیدہ و شنید۔ ۱۹۹۰ء

۳۶۔ اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ۔ ۱۹۹۰ء

۳۷۔ اردو املا اور قواعد۔ ۱۹۹۰ء

۳۸۔ قومی یک جہتی اردو اور پاکستان۔ ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ادبیات و شخصیات۔ ۱۹۹۳ء

۴۰۔ پاکستان اور سری پرکاش۔ ۱۹۹۳ء

۴۱۔ تمنا کا دوسرا قدم اور غالب۔ ۱۹۹۵ء

۴۲۔ غزل اردو کی شاعری روایت ۱۹۹۵ء

۴۳۔ زبان اور اردو زبان (بعد نظر ثانی و اضافہ ۱۹۹۵ء)